بلاغ المبین

یعنی

موعظت خیز و درد انگیز قومی نظموں کا ایک دلاویز مجموعہ

مصنفہ و مؤلفہ

ننگ قوم شرمندہ ملک ہیچدان ابو محمد سید حسین سیفی سبحانی عفا اللہ عنہ

محاسب ضلع

متوطن محمد آباد (بیدر) حیدرآباد دکن

مصنف

ہندستان نعتستان و ابر رحمۃ وغیرہ

سنہ ۱۳۴۰ھ

مطبوعہ عظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن

دیباچہ

یہ کوئی تاریخی کتاب نہیں ہے بلکہ قومی نظموں کا ایک مختصر مجموعہ ہے مگر علم کے ساتھ
ـت ملنے کے لیے حاشیہ پر ایسے موثر و دلچسپ تاریخی واقعات جن کی صحت پر علمائے مستند
کا اتفاق ہے اور جن کا ہر ایک مفید پہلو تجنیسِ بلیغ کے ساتھ متعدد و مستند کتب تاریخ
کیا گیا ہے لکھ دیئے گئے ہیں اور ان واقعات کی احوالِ حال سے تطبیق کر کے
ور جتلایا گیا ہے کہ کن باتوں کی کمی کی وجہ آج ہم اس نکبت و افلاس میں گرفتار
ہے کہ یہ جواہر ریزے ردِ مخالفین اسلام کے موقع پر نہ صرف شمشیرِ براں کا کام
اد قوم کے دلوں میں کتب تاریخ کے مطالعہ کا مذاق بھی پیدا کریں گے
اس مجموعہ کی ترتیب کے زمانہ میں اردو فارسی عربی اور انگریزی تراجم کی متداول تا
ـا سے شاذ ہی ایسی کوئی کتاب ہوگی جو خاکسار کے مطالعہ استفادہ و استعانت
ہی ہو مضامین کے اختصار کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے اسلئے بعض مقا
ت بلیغ و پُر مغز ہوگئی ہے امید کہ توجہ سے ملاحظہ فرمائی جائیگی
اقعات تاریخی بعض اشعار سے بادنی التعلق متعلق ہیں ممکن ہے کہ ان کو غیر متعلق
ے مگر اس بارے میں وجوہِ تالیف ترتیب و تقسیم مضامین کی دقت اور کتب تاریخ
ـب ہے اور یہ بھی کہ کتابت کیوں باریک و خفی ہے۔ ف۴ بعض مضامین
ـصار کا خاص طور پر خیال رہنے کی وجہ مضمون کے ایسے پہلو کو جو اس کتاب کے
ہے نظر انداز کر دیا گیا ہے اسلئے تمام کتاب کے پڑھ لینے کے بعد کسی رائے کا
ـب ہوگا۔ ف۵ جو قومی نظمیں اخبار و رسائل میں بار بار شائع ہو چکی ہیں صرف
ـب ہیں اور بوجوہ انکے حوالے بھی جہاں تک مل سکے درج کئے گئے ہیں اس کتا
ـا نفع ذاتی کا خیال نہیں ہے صرف خدمت قوم پیش نظر ہے وما اسئلکم علیہ من اجر ان
علی رب العالمین۔ اب دعا ہے کہ خدائے کریم محض اپنے فضل عمیم سے اس ہیچمیرز مجموعہ کو اپنے
اصلاح کے ـنی نیک رفیق فرمائے! آمین آمین

سیفی سبحانی

سید محسن ثاقبی

Azam Steam Press Hy. (Dn.)

٦٨٩

شموس التقاریظ

کتب ہندستان و نعتستان و بلغ المبین سیفی سبحانی

از مطالع علم و فضل

فصحائے زمانہ و بلغائے یگانہ

عالیجناب شمس العلماء مولانا حالی مرحوم
" نواب حیدر یار جنگ بہادر نظم طباطبائی
" نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل
" نواب نظامت جنگ بہادر صدر المہام سیاسیات
" نواب فخر یار جنگ بہادر معتمد فینانس
" نواب اکبر یار جنگ بہادر معتمد عدالت وکوتوالی
" نواب مرزا یار جنگ بہادر میر مجلس عدالت العالیہ
" نواب سعادت جنگ بہادر صدر المہام صرفخاص مبارک
" نواب رفعت یار جنگ بہادر سابق صوبہ دار

عالیجناب نواب جعفر یار جنگ بہادر تعلقدار صرفخاص مبارک
" " نواب ہاشم نواز جنگ بہادر معتمد مجلس وضع قوانین
عالیجناب مولانا مولوی سید محمد حسین صاحب بلگرامی سابق صدر مجلس سرکار عالی
" " " " صفی الدین صاحب مرحوم ناظر کتب درسیہ
" " غلام غوث خانصاحب اول تعلقدار ضلع ناندیڑ
" " حبیب الدین صاحب مرحوم سابق صدر محاسب محاسب سرکار عالی
" " قاضی عبید اللہ صاحب مرحوم اول تعلقدار
" " مولوی محمد عبد القادر صاحب احقر
" " " " عبد الخالق صاحب احسن مصنف بھاگونتی وغیرہ

عالیجناب شمس العلما مولانا حالی مرحوم

مکرم بندہ! تسلیم۔

آپ کے کلام موسوم بہ "ہندستان" معروف بہ منتخب دیوان سیفی مولانا حالی مدظلہم العالی کے ملاحظہ کے لئے بذریعہ ڈاک پہنچا آج یہ نیاز مند قبلہ و کعبہ کی خدمت میں گیا تھا خوبی قسمت سے آپ کی کتاب کا پیکٹ سامنے آگیا خط پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ کلام نظم مجھے پڑھ کر سناؤ ایک گھنٹہ کے قریب مختلف مقامات سے آپکا کلام سنا اور سہرے کو سنکر فرمایا کہ ردیف و قافیہ کے لحاظ سے مرزا غالب و ذوق کے رنگ پر کہا ہے بعض اشعار تو بہت ہی پسند کئے اور اس شعر کی بڑی داد دی

مانا کہ زر کے ساتھ ہے اقبال کی آبرو
زرداران باز میں پہ تی ہے لیکن ہمیشہ جنگ

ایک تشبیہ بہت پسند کی جو ضعف سے خمیدگی کو رکوع سے دی ہے ؎

مصروف یاد حق کبھی جیسے ہم ہوئے
قد خود بخود رکوع میں آخر چلا گیا

سب سنکر فرمایا کہ خوبیاں بہت ہیں کلام قابل قدر ہے۔ اللہ تعالی ترقی عطا فرمائے۔

عبد العلی تلمیذ حضرت ممدوح

عالیجناب نواب حیدر یار جنگ بہادر نظم طباطبائی

سید حسین صاحب سیفی ایک فدائے قوم و محب وطن و خادم اسلام ہیں۔ ان کی قومی و اخلاقی نظمیں موثر۔ زبان و فن کے لحاظ سے سرا سر قابل ستایش ہیں۔ اور اکثر ادبی رسالوں میں شایع ہو چکی ہیں محفلوں میں پڑھی جا چکی ہیں۔ رندانہ شاعری سے انہیں رغبت نہیں جو اشعار ظاہر میں رندانہ معلوم ہوتے ہیں ان میں بھی کوئی اخلاقی پہلو ضرور ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں امور سیاسی ایسے گلوگیر ہیں کہ ترانہ بلبل و قمری اور مشاعرہ ناسخ و آتش اس کے سبب سے بے لطف ہو گیا۔ غزل سرائی بے وقت بھیرویں سامعہ سوز ہے۔ نہ کہ سامعہ نواز خدا اس کتاب کا نفع عام اور فائدہ تام کرے فقط۔

جناب مولوی سید عبد الخالق صاحب احسن مرحوم مصنف حبیب بہاگو نیتی وغیرہ

زہے این گوہر نایاب مقبول جہاں آمد
و سیفی مستحق داد و تحسین بے حساب استی
برائے سال طبع ثانیہ ہاتف ز احسن گفت
بحق سورہ طٰہٰ کتاب لاجواب استی

عالیجناب نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

نفع المبین ہے کہ اک مصحف ہے	کتاب ایسی دلچسپ دیکھی نہیں ہے
جلیل اس میں ہیں خوب باتیں کیسی	نہاں کیسی کیسی عیاں کیسی کیسی
خزانہ جواہر کا کہنا بجا ہے	اسے بحر انوار کہنا روا ہے
ہر اک شعر آنکھوں میں گھر کرنے والی	ہر ایک نظم دل پر اثر کرنے والی
لطافت ہے اشعار رنگیں پہ شیدا	متانت ہے اعلیٰ مضامین پہ شیدا
حکایات سارے فوائد سے مملو	بیانات حسن عقائد سے مملو
یہ سیفی کے سیف قلم کے ہیں جوہر	جو بحر سیادت کے یکتا ہیں گوہر
یقین ہے کہ احسنت دنیا کہے گی	یہ تصنیف مقبول ہو کر رہے گی

یہ تاریخ بھی کیسی خوش آب نکلی
نفع المبین آج نایاب نکلی
۱۳۴۳ھ

عالیجناب نواب جعفر یار جنگ بہادر

ہست علی را دل و دلبر حسین	بحر سخن را در و گوہر حسین
گلبنے از خاک دکن خاستہ	در حد دہلی چمن آراستہ
ملک قلم سیف زبانش گرفت	قوت تسخیر بیانش گرفت
طوطی نوخیز شکر ریز تر	ہر شکریں نغمہ دل آویز تر
ریختہ گلہا بہ زمین سخن	سکہ خود زد بہ نگین سخن
لطف کلامش بپے ارباب فن	باد مفید از کرم ذوالمنن
گر تو بجوئی نشانم کہ کیست	پیش ہمیں حسین ثانی کہ ہست

جعفر صادق دو جہاں را امام
جد جدم ہست علیہ السلام

عالیجناب نواب فخر یار جنگ بہادر معتمد فینانس

مولوی سید حسین صاحب سیفی کے دل میں سچا درد قوم ہے جو ان کی دلچسپ نظموں کے مصرعہ مصرعہ سے ظاہر ہے۔ حال میں انہوں نے اپنی نظموں کا مجموعہ موسومہ (نفع المبین) تیار فرمایا ہے۔ مجموعہ کو میں نے دلچسپی سے پڑھا نصائح پر جو نظمیں لکھی جاتی ہیں ظاہر ہے کہ ان میں اتنی رنگینی نہیں ہو سکتی جو رزم و بزم کی داستانوں یا حسن کائنات کے مرقعوں یا عشق کی کہانیوں میں پائی جا سکتی ہے مگر مولوی صاحب کا مجموعہ موعظہ حسنہ ہے۔ جو ایک سچے اسلامی خلوص کے ساتھ اپنے بھائیوں کی خدمت کے لئے سلیس اردو اور دلچسپ پیرایہ میں لکھا گیا ہے اور ان اقسام مبالغہ و غلو سے پاک ہے جو سچی شاعری کے رخ انور پر بدنما دھبوں کی شکل میں پائے جاتے ہیں مولوی صاحب کے دل میں درد ہے اور قلم میں قوت اظہار ہے اور طبیعت میں موزونی۔ خدا کرے یہ درد بڑھتا جائے۔ فقط

جناب قطب الدین صاحب مرحوم سابق نائب ناظم عدالت گلبرگہ

خوب لکھی ہے کتاب آپ نے ماشاء اللہ	بول اٹھتا ہے ہر اک شعر کہ جدت یہ ہے
سچ کہا ایک دلآویز یہ مجموعہ ہے	درد انگیز ہے ہر نظم حقیقت یہ ہے
کاش لیں اس سے سبق سیکھیں جو قومی	حالت زار مسلماں کی حکایت ہے
عہد ماضی نہ ہوتا تو نہ وا کرتا	کیا کہوں آپ نے لکھا ہے امانت ہے
اب بھی گر آپ بنا سب اسے سمجھیں سیفی	مطلع مجھکو کریں صاف کہ قیمت یہ ہے

عالیجناب نواب اکبر یار جنگ بہادر معتمد عدالت وغیرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جناب مکرم مولانا ابو محمد سید حسین صاحب سیفی سبحانی

بل فی المثل صاحب ثانی محاسب صنبلیع

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا مرسلہ علمی تحفہ الموسوم بہ پندستاں وصول ہوا
اس نوازش کے لئے دلی شکریہ قبول فرمائیے
پند کی نسبت مشہور ہے کہ اس سے تلخ تر اور کڑوی
کوئی چیز نہیں لیکن آپ کے کلام کی شیرینی نے
پند کو اتنا دل پسند و شیریں بنا دیا ہے کہ آپکے
"پندستاں" کو شکرستاں کہنا بیجا نہ ہوگا۔
میں شاعر نہیں ہوں اس لئے ڈرتا ہوں کہ میری
"تقریظ" آپکے کلام کے حق میں تحسین ناشناس نہ ہو جائے
میری تقریظ آپکے اس شکرستاں کے لئے شکر پر
چیونٹیوں کی چڑھائی ہو جائے گی۔ اس لئے۔

خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

پر عمل مناسب معلوم ہوتا ہے والسلام

اکبر یار جنگ

عالیجناب نواب نظامت جنگ بہادر سابق صدر المہام سیاسیات وغیرہ

مکرمی! السلام علیکم

آپ نے اپنی تصنیف بھیج کر مجھے ممنون فرمایا۔
لیکن افسوس ہے کہ جواب لکھنے میں اس قدر
تاخیر ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ایک مدت
تک بلدہ سے باہر رہا

مجھے اردو شاعری میں دخل نہیں ہے۔ اس لئے
تنقیدی نظر سے آپ کی نظموں کو نہیں دیکھ سکتا
البتہ سرسری نظر سے دیکھا۔ اور ان میں ایک
خاص قسم کا اثر پایا جو روحانی جذبات سے
تعلق رکھتا ہے۔ اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایسے
اشعار انسان کی روحانیت کو بڑھانے کا ایک
عمدہ ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اور خصوصاً زمانہ حال
میں اس کی ضرورت بھی ہے۔ مجھے امید ہے کہ
آپکے اشعار کو پڑھنے سے اکثروں کے دلوں پر
وہ اثر ہوگا جس کو میں نے ان میں پایا فقط۔

نظامت جنگ

عالیجناب مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب بیدل مرحوم پروفیسر دار العلوم کالج

عزیزم سیفی شیریں بیان را — چو شد گنج سخن از پند معمور
بگفتم از سر الہام بیدل — کہ پندستانِ سیفی چشمۂ نور

عالیجناب نواب مرزا یار جنگ بہادر صدر مجلس عدالت العالیہ

مکرمی! بعد تسلیم

آپ کا دوسرا عنایت نامہ بھی وصول ہوا۔ آپ کے خط کا جواب نہ دینے کی ندامت ہے۔ بے حد عدیم الفرصت تھا۔ ہندستاں کو جابجا پڑھا۔ آپ نے حمد و سپاس باری تعالیٰ بہت خوب نظم سے شروع فرمائی ہے۔ سیفی شاعری نہیں بلکہ ایک پُر اثر ناصح ہیں ناصح وہی پُر اثر ہوتا ہے۔ جس میں غرور نہ ہو سیفی کا انکسار اس شعر سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے ؎

سمجھتے ہیں عدو بھی دوست ہم کو + ارے ہم کیا ہماری دشمنی کیا

آپ نے قومی خدمت کی ہے۔ ایسے ہی کلام سے قومیں بنتی ہیں نعتستاں سے بھی مشرف ہوا۔ اپنے رنگ میں اچھا ہے دیباچہ میں خوب فرمایا ہے ؎

جاہلوں ہی کے لیے عیش و خوشی ہے سیفی

قید خانہ میں خرد مند کو آرام کہاں

جناب مولوی قاضی عبید اللہ صاحب مرحوم اول تعلقدار

جناب مکرم سیفی صاحب

تسلیم۔ آپ کی مرسلہ بلاغ المبین وصول ہوئی۔ یاد فرمائی کا شکریہ اس میں جو اضافہ کیا گیا ہے خوب ہے۔ افسوس کہ آپ ایسے فاضل شخص کی قدر نہیں کی جا رہی ہے لیکن تابکے وقت آ ہی جائے گا خدا پر بھروسہ چاہئے۔ آپ نے اپنے کرم سے میری نسبت جو کچھ کرم نامہ میں تحریر فرمایا ہے۔ اس کا دلی شکریہ قبول فرمائے فقط

عالیجناب نواب سعادت جنگ بہادر صدر المہام صرف خاص مبارک

مکرمی

السلام علیک۔ آپ کے منظوم کلام کا مجموعہ بذریعہ ڈاک وصول ہوا۔ جس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کلام کا میں نے جستہ جستہ مقامات سے مطالعہ کیا ہے ہندستان۔ درحقیقت گراں بہا پند و نصائح کا گنجینہ ہے بلاغ المبین چیدہ چیدہ درد انگیز قومی نظموں کا مجموعہ اور اصلاح قوم کا ارگن ہے۔

نعتستاں۔ حمد و نعت کا بہترین گلدستہ ہے المختصر اس کلام کا مطالعہ اخلاقی۔ معاشرتی مذہبی اور ہر حیثیت سے مفید ہے زبان عام فہم سلیس و سادہ ہے۔ طرز تحریر دلکش و دلنشین ہے! خدا سے دعا ہے کہ اس کلام کو قبولیت عام و بقائے دوام عطا فرمائے۔ فقط

عالیجناب مولوی حبیب الدین صاحب مرحوم سابق صدر محاسب

القلم السیف

آپ کا منتخب دیوان ہندستاں ہنچا جستہ جستہ مقامات سے میں نے اشعار پڑھے طرز کلام سے ابنائے جنس کی ہمدردی خیر خواہی کا جوش عیاں ہے بڑی خوبی کی بات آپ میں اظہار حق ہے جس کی وجہ کلام منظوم تعریف کا مستحق ہے اگر اور لوگ بھی اس طرح اخلاقی مضامین (شاعرانہ خوبی سے نظم کرنے کی طرف توجہ کریں تو قالب اخلاق میں جان پڑ جائے آپ کا کلام رندانہ سے پاک اور جیسا کہ کہتے ہیں کہ خیر الکلام قل و دل

منجانب نواب رفعت یار جنگ بہادر

رفعت منزل خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن ۲۵ آذر ۱۳۴۳ف

جناب من ۔ بعد سلام مسنون عرض خدمت ہے کہ جناب کا ۱۲ آبان ۱۳۴۳ف کا مراسلہ
موسومہ عالیجناب نواب رفعت یار جنگ مع ایک مجلد تصانیف خود وصول ہوا بوجہ ناسازی مزاج ملاحظہ کی نوبت
نہیں آئی تھی۔ حال میں آپکا دوسرا خط بھی پہنچا۔ کتاب پیش ہونے پر عالیجناب نواب صاحب نے
ہندستان بغتان تیغ المبین تینوں پر شوق سے نظر ڈالکر ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کی اس عنایت کا
شکریہ ادا کیا جائے اور یہ لکھا جائے کہ ان شعرا کی جماعت سے جو محض جھوٹ کی دیوی کا پوجا کرتے رہتے ہیں
مجھے مطلق دلچسپی و ہمدردی نہیں ہے۔ البتہ ان محبان قوم کی میں دل سے قدر کرتا ہوں جو قوم کی اصلاح و ترقی
کی ہر ممکنہ طریقہ سے فکر و کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس اصول پر آپ کی سعی کو بھی میں وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں
کیونکہ اس میں عقائد اور اخلاق کی تعلیم ہے اور موجودہ خرابیوں کی اصلاح کی جانب رہنمائی ہوتی ہے سابقہ
اقوال و مختلف باتوں کے ضرب الامثال کو بھی جو نصیحت سے پر ہیں آپنے نہایت خوبی سے سلیس زبان اور اپنے خاص
انداز میں درج کیا ہے جس کو ہر ایک سمجھ سکتا ہے اور اس پر عمل کر سکتا ہے یہ مسلمہ بات ہے کہ خاص و عام سب ہی پر
نظم کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ اور جو باتیں نظم میں ادا کی جاتی ہیں وہ زیادہ اور ہمیشہ یاد رہتی ہیں پچھلے زمانہ میں یہی طریقہ
رائج تھا جس کا ثبوت اب بھی بعض اضلاع اور دیہات کے مسلمانوں میں ملجاتا ہے مذہب کے متعلق روزہ نماز اور ضروری
امور پر مسلسل اشعار ان کو یاد ہیں جن کو وہ طوطے کی طرح دہرا جاتے ہیں بہرحال پڑھے لکھے اور ان پڑھ دونوں کو نظم مرغوب
ہے اس غرض سے نظم کو ترجیح دینا جائز ہوگا۔ قوم کو پچھلی کامیابی اور عظمت کے اسباب یاد دلا کر اولوالعزم اور
طاقتور بنانے کی ہر کوشش احسن اور مبارک ہے انہی وجوہ سے میرے دل میں حالی۔ اکبر اور اقبال وغیرہ کی
بڑی عزت ہے اور آپ کی کارگزاری سے بھی جو قوم کی ہمدردی و اصلاح حال کی نیک نیت سے پسندیدہ طریقہ
ہو رہی ہے میں مسرت ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اخلاق ہی تمام خوبیوں اور ترقی کی بنیاد ہیں یہ آپکی کتابیں جو
عمدہ اخلاق کے نمونے اور دلپذیر انداز میں پند و نصیحت کے مجموعے ہیں قوم کو بہت فائدہ پہنچائیں گے۔ دعا ہے
کہ آپکا یہ دیرینہ شوق آئندہ بھی جاری رہے اور دوسرے ہم مذاق حضرات بھی آپ کی تقلید کریں یہ میری
اور سب ہی کی تمنا ہے مگر جیسا کہ خود آپنے بہت خوب کہا ہے کہ۔

کوششیں ہیں کامیابی کی دلیل — صرف ارمانوں سے کچھ ہوتا نہیں

خدا آپ کو اور دوسروں کو اس خصوص میں مزید کوشش کی نیک توفیق اور قوت عطا فرمائے
یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ آپکا وطن بیدر ہے جو ایک مردم خیز خطہ ہے وہاں کے لوگوں سے آئندہ بھی اچھے بڑے کاموں کی
توقع ہے۔ فقط محمد عزیز الرحمن

عالیجناب مولانا مولوی صفی الدین صاحب مرحوم ناظر کتب دینی

حدیث شریف میں آیا ہے کہ لا تسبوا الدہر فان الدہر ہو اللہ۔ دہر یا زمانہ میں ضلالت و ہدایت موجود رہی ہے اور رہے گی۔ موجودہ زمانہ میں اسلامی معلومات کی کمی سے اسکولوں کے لڑکوں کے دماغوں میں ملحدانہ خیالات جمتے جاتے ہیں۔ اسلامی مذہب کسی انسان کا تراشیدہ مذہب نہیں ہے۔ خداوند تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وہو فی الآخرۃ من الخاسرین۔ خدائے تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ اس زمانہ میں بھی اہل اسلام میں ایسے افراد پیدا فرماتے ہیں جو راہ ہدایت دکھلانے کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اسلام میں ہمیشہ ایک گروہ بلا خوف لومۃ لائم راہ ہدایت دکھلاتا رہیگا۔ مولوی ابو محمد سید حسین صاحب سیفی بھی اسی گروہ سے ہیں جو اپنے اشعار اور تقریر سے اسلامی ہمدردی پر ہمہ تن آمادہ ہیں۔ ان کی تصنیفات بہارستان و نعتستان جن پر مستعد اہل لسان نے تقاریظ لکھے ہیں میں نے دیکھے۔ جزاہ اللہ عن الاسلام خیرا و کثر امثالہم۔

عالیجناب مولانا مولوی محمد حسین صاحب تمنا صدر انجمن

میں نے جناب سیفی کی مختلف نظموں کے مجموعہ کو دیکھا۔ فی الحقیقت ایسی ہی نظمیں اہل ملک کے لئے سودمند اور کارآمد ہو سکتی ہیں جنہیں پڑھنے سے قلب متاثر ہوں، خیالات کی اصلاح ہو سکے اور جو پاکیزہ دل جو گل و بلبل کے پامال افسانے سن سن کے زنگ آلود ہو گئے ہیں مصقل ہو جائیں۔ میں ان نظموں کو پڑھ کر بہت خوش ہوا اور حضرت سیفی کو مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ مجموعہ مقبول عام ہوگا۔

عالیجناب مولانا مولوی محمد عبد القادر صاحب حسرت

سیفی کہ ہست سیف سخن گشتہ شہیر ... گردن نہند ... گوشمند
در چار سوئے نگارش شدہ علیم ... بینند ہیچ چو آئینہ حیران و ششدرند
صیاد طبع نازک او انچنان بود ... گیرد ہزار رخ معانی بیک کمند
چون توسن بلاغت او در سخنوری ... تازد ہزار رخنہ بجولانگہش فتد
بے شک دوا بود اگر او بود رو سکت ... نازد بدو کہ ہست سپہر مجید
تا سیف کہکشان سپہر مشال ... باشد بیاد سیفی ما نیز سر بلند
عمرش دراز باد با فضال ذوالجلال ... ہستا بحق دعا حسرت مستمند

عالیجناب المولوی غلام غوث خاں صاحب اول تعلقدار ضلع بیڑ

مولانا سیفی صاحب! زاد مجدکم ۱۲-۱-۰۰ ف

السلام علیکم۔

آج میں نے آپ کی عطیہ کتابوں کا مطالعہ کیا تقریباً تین گھنٹے مسلسل صرف کئے "ہندستاں" واقعی ناصحانہ اقوال کا ایک قابل قدر مجموعہ "بلغ المبین" قومی کلام کا پُر اثر ذخیرہ اور "نعتستاں" گنجینہ مواعظ ہے۔

آپ نے اپنی اس تالیف و تصنیف سے فی الحقیقت ملک و قوم پر بڑا احسان کیا ہے۔

میں نے سررشتہ تعلیمات پر تحریک کی ہے کہ ان کتب کو مدارس کورٹ آف وارڈز میں انعامی کتب کی حیثیت سے خریدنا مطلوب ہے۔

خدائے تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور ان خدمات کا آپ کو کافی بدل ملے فقط

خاکسار

غلام غوث خاں

عالیجناب نواب علم شہم نواز جنگ بہادر معتمد وضع قوانین

نعت شاعری کی ان مستثنے صنفوں سے ہے جس کی جانب اہل سخن کو ضرور متوجہ ہونا چاہئے اس سے نہ صرف نونہالان قوم میں مذہبی حسیات پیدا کئے جا سکتے ہیں بلکہ اگر اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلوؤں کے اظہار کا ذریعہ مثل نعتستاں بنالیا جائے تو تعلیم کے لئے نعت ایک بے نظیر شاہ راہ ثابت ہوگی

مولوی سید حسین صاحب سیفی نے اس دیوان کے ذریعہ سے قوم کی جو خدمت کی ہے۔ وہ ضرور قابل قدر و لائق داد ہے۔ امید ہے کہ صاحب ممدوح اس مفید کام کا خیال رکھ کر دائرۂ افادہ کو وسیع اور اپنی مساعی جمیلہ سے قوم کو اور زیادہ زیر بار منت فرماتے رہیں گے۔ فقط

عالیجناب مولوی میر موسی حسین صاحب مرحوم پروفیسر دار العلوم کالج

نعتستاں و ہندستاں سیفی کے مختلف مقامات میں نے دیکھے اخلاقی مضامین سے مملو ہیں۔ اخلاق کا جوش ٹپک رہا ہے نہایت سلیس و پر معنی ہیں اللہ تعالیٰ مصنف کو اجر جزیل کرامت فرمائے۔

تقاریظ

تقریظ فاضل الہام کامل القدم عالیجناب مولانا مولوی سید علی حیدر صاحب نظم طباطبائی المخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ بہادر مدظلہ العالی

سید حسین صاحب سیفی ایک خدائے قوم و محب وطن و خادم اسلام ہیں ان کی قومی و اخلاقی نظمیں موثر زبان و فن کے لحاظ سے سراسر درست و قابل ستائش ہیں اور اکثر ادبی رسالوں میں شائع ہو چکی ہیں محفلوں میں پڑھی جا چکی ہیں رندانہ شاعری سے انہیں رغبت نہیں جو اشعار ظاہر میں رندانہ معلوم ہوتے ہیں ان میں بھی کوئی اخلاقی پہلو ضرور ہوتا ہے اس زمانہ میں امور سیاسی ایسے گلوگیر ہیں کہ ترانہ بلبل و قمری اور مشاعرہ ناسخ و آتش اوسکے سبب سے بے لطف ہو گیا غزل سرائی بے وقت بھیرویں سامعہ سوز ہے نہ کہ سامعہ نواز خدا اس کتاب کا نفع عام اور فائدہ تام کرے

تاریخ طبع ثانی

از افصح الفصحا ابلغ البلغا و گلزار شاعری نوا خلیل المولوی الحافظ جلیل القدر نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

بلغ المبیں ہے کہ مادہ مبیں ہے
جلیل اس میں ہر نظم اپنا کیسی

کتاب ایسی دلچسپ دیکھی نہیں ہے
نہاں کیسی کیسی عیاں کیسی کیسی

خزانہ جواہر کا کہنا بجا ہے
ہر اک نثر آنکھوں میں گھر کرنے والی

اسے بحر انوار کہنا روا ہے
ہر اک نظم دل پر اثر کرنے والی

لطافت ہے اشعار رنگیں پہ شیدا
حکایات سارے فوائد سے مملو

متانت ہے اعلیٰ مضامیں پہ شیدا
بیانات حسن عقائد سے مملو

یہ سیفی کی تصنیف تعلیم کے ہیں جو ہر
یقیں ہے کہ احسنت دنیا کہیگی

جو بحر [illegible] کے یکتا ہیں گوہر
یہ تصنیف مقبول ہو کر رہیگی

یہ تاریخ بھی کیسی خوش آب نکلی
بلغ المبیں آج نایاب نکلی

۱۳۴۳ھ

تقریظ ناثر بے مثال ناظم بے ہمال عالم المعی فاضل لوذعی عالیجناب مولوی الطاف حسین صاحب حالی مرحوم

مکرم بندہ تسلیم آپکے کلام نظم موسوم بہ "ہندستان" معروفہ منتخب دیوان سیفی مولانا مدظلہم العالی کے ملاحظہ کے لئے بذریعہ ڈاک پہنچا۔ آج یہ نیاز مند قبلہ و کعبہ کی خدمت میں گیا تھا۔ خوبی قسمت سے آپ کی کتاب کا پیکٹ سامنے آگیا خط پڑھکر سنایا۔ فرمایا کہ کلام نظم مجھے کہیں کہیں سے سناؤ ایک گھنٹہ کے قریب مختلف مقامات سے آپکا کلام سنا اور سہرے کو سنکر فرمایا کہ ردیف و قافیہ کے لحاظ سے مرزا غالب ذوق کے رنگ میں خوب کہا ہے بعض اشعار تو بہت ہی پسند کئے اور اس کی بڑی داد دی مانا کہ زر کے ساتھ ہے انساں کی آبرو زر زن زمیں پہ ہوتی ہے لیکن ہمیشہ جنگ ایک تشبیہ پینگ کی جو ضعف سے خمیدگی کو رکوع سے دی ہے۔

مصروف یاد حق نہ کبھی حیف ہم ہوئے
قد خود بخود رکوع میں آخر چلا گیا

سب سنکر فرمایا کہ خوبیاں بہت ہیں کلام قابل قدر ہے اللہ تعالیٰ قبولیت عطا فرمائے فقط

عبد العلی تلمیذ حضرت ممدوح

تقریظ مولی الہمم العوالی سلیل الاکارم الاعاظم عالیجناب مولوی فخر الدین احمد خاں صاحب معتمد فینانس سرکار عالی

مولوی سید حسین صاحب سیفی کے دل میں جو چھپا ہوا درد قوم ہے جو ان کے دلچسپ نظموں کے مصرعہ مصرعہ سے ظاہر ہے حال میں انھوں نے اپنی نظموں کا مجموعہ موسومہ [illegible] تیار فرمایا ہے۔ مجموعہ کو میں نے دلچسپی سے پڑھا عام طرح پر جو نظمیں لکھی جاتی ہیں ناظرین کو ان میں آج کل تخیلی نہیں ہوتی جو رزم و بزم کی داستانوں یا حسن کی تشبیہات کے مرقعوں یا عشق کی کہانیوں میں پائی جا سکتی ہے مگر مولوی صاحب کا مجموعہ موعظہ حسنہ ہے جو ایک سچے اسلامی خلوص کے ساتھ اپنے بھائیوں کی خدمت کے لئے سلیس اردو اور دلچسپ پیرایہ میں لکھا گیا ہے وزن استقامت و مبالغہ و غلو سے پاک ہے جو سچی شاعری کے رخ انور پر بدنما دھبوں کی شکل میں پائے جاتے ہیں مولوی صاحب کے دل میں درد ہے اور قلم میں قوت اظہار ہے اور طبیعت میں موزونی خدا کرے یہ درد بڑھتا جائے

تقریظ صاحب المکارم الماثورة والاعمال الحسنة المشکورة عالیجناب مولوی سید محمد حسن صاحب بلگرامی صدر محاسب سرکار عالی

میں نے سید حسین صاحب سیفی کی مختلف نظموں کے مجموعہ کو دیکھا۔ فی الحقیقت ایسی ہی نظمیں ملک کیلئے سودمند اور کارآمد ہو سکتی ہیں جن کے پڑھنے سے قلب متاثر ہوں خیالات کی اصلاح ہو سکے اور وہ پاکیزہ ولولے جو گل و بلبل کے پارینہ فسانے حسن و عشق کے زنگ آلود ہو گئے ہیں منتقل ہو جائیں میں ان نظموں کو پڑھ کر بہت خوش ہوا اور حضرت سیفی کو مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ یہ مجموعہ مقبول عام ہوگا

تقریظ صاحب السجایا المرضیہ عالیجناب مولانا مولوی صفی الدین صاحب ناظر مذہبی کتب دینیہ

حدیث شریف میں آیا ہے لا تسبوا الدهر فان الدهر بيد الله ہر زمانہ میں ضلالت و ہدایت موجود رہی ہے اور رہیگی موجودہ زمانہ میں اسلامی معلومات کی کمی سے اسکولوں کے لڑکوں کے دماغ میں ملحدانہ خیالات جمتے جاتے ہیں۔ اسلامی مذہب کسی انسان کا گھڑا ہوا مذہب نہیں ہے۔ خداوند تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرة من الخاسرین خدائے تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ اس زمانہ میں بھی اہل اسلام میں ایسے افراد پیدا فرماتے ہیں جو راہ ہدایت دکھلانے کے لئے کچھ نہ کچھ سعی کر رہے ہیں مخبر صادق علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اسلام میں ہمیشہ ایک گروہ بلا خوف لومۃ لائم راہ ہدایت دکھلاتا رہیگا۔ مولوی ابو محمد سید حسین صاحب سیفی بھی انہی بزرگوں سے ہیں جو اپنے اشعار اور تقریر سے اسلامی ہمدردی پر ہمہ تن آمادہ ہیں ان کی تصنیفات ہندستان و نعتستان جن پر متعدد اہل لسان نے تقاریظ لکھے ہیں میں نے دیکھے جزاه الله عن الاسلام خیرا و کثر امثالهم

تقریظ عالیجناب مولانا مولوی میر موسیٰ حسین صاحب مرحوم سابق مددگار مدرسہ فوقانیہ دار العلوم

نعتستان و ہندستان سیفی کے مختلف مقامات میں نے دیکھے اخلاقی مضامین سے مملو ہیں اخلاص کا جوش ٹپک رہا ہے نہایت عمدہ تالیف ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو اجر جزیل کرامت فرمائے

ترجیع بند دعائیہ

در تہنیتِ سالگرہ خسروِ عدل گستر خدیو زمن اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں بہادر

سلطانِ دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

ستارے پورے خبر ہیں جبتک سمت بتانکو
زباں آتی رہے حمد و ثنا جبتک سخندانکو

نشان بے نشاں جبتک کہیں مہر درخشانکو
منور نام پاکِ حق سے جبتک پاک عرفانکو

خدا رکھے سلامت میر عثمان علی خاں کو!

معزز ہیں اسی شاہِ معظم کی بدولت ہم
نظر آتے ہیں دنیا کو مجسم عیش و راحت ہم

زمانہ بھر میں ہیں مشہور اہل بخت و قسمت ہم
کہ سو نازوں سے کرتے ہیں حکومت [illegible] ہم

خدا رکھے سلامت میر عثمان علی خاں کو!

سلطنت حیدرآباد دکن صانہا اللہ تعالیٰ عن الشرور والفتن کا عرض (۲۸۴) میل طول (۳۵۶) میل رقبہ (۸۲۶۹۸) مربع میل۔ بلندی سطح سمندر سے ڈھائی ہزار فیٹ آبادی از روئے مردم شماری ۱۳۳۰ف [illegible] نفوس صوبے ۴ ضلع ۱۶ تعلقہ ۱۰۱ قصبے ۸۹ موضع (۲۱۵۲۱) ہیں ہر قسم کے حیوانات نباتات بافراط اور معدنیات میں لوہا، تانبا، چاندی، سونا اور یاقوت کی کانیں ہیں آب و ہوا بحیثیت مجموعی خوشگوار و معتدل اور علماء و فضلا کی تعداد ہندوستان کے اکثر مقامات کے علماء و فضلاء کی تعداد سے نسبتاً زیادہ ہے۔ اس تفصیل میں صوبہ برار کی آبادی و رقبہ شامل نہیں ہے اگر اس کو بھی شریک کر لیا جائے (جو حقیقۃً اس کا ایک جزو لاینفک اور محض تنخواہ فوج کے لئے

لہ دکن کی ایک ایسی مختصر مفید جامع و مانع تاریخ جس میں واقعات موافق کی تائید۔ حالات مخالف کی تردید کرتے ہوئے تحقیق حق کی داد دی گئی ہے۔ تالیفات خاکسار سے چند مسودات پراگندہ کی شکل میں پنہاں ہے بشرط زندگی زیور طبع سے مزین ہوگی انشاء اللہ المستعان علیہ التکلان یعنی ناظرین کو اس اجمال کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے مجھ اور مدت مساعدت زمانہ کا انتظار کرنا چاہیئے

ہمارے حضرت اعلیٰ بھی کن وصفوں کے مظہر ہیں	بہارِ گلشنِ جود و عطا ہو فیض پرور ہیں
ضیائے آفتابِ عدالت ہیں رحم گستر ہیں	مددگارِ فرامینِ نبی ہیں ظلِ داور ہیں

خدا رکھے سلامت میر عثمان علی خاں کو

ارادے سب سمجھ میں شجاعت اسکو کہتے ہیں	رعایا شاد ہے دل سے عدالت اسکو کہتے ہیں
مشاہیر جہاں ہیں جمع دولت اسکو کہتے ہیں	ہیں یکدل مسلم و ہندو حکومت اسکو کہتے ہیں

خدا رکھے سلامت میر عثمان علی خاں کو

١٦ شعبان [illegible]ھ سے زیر نگرانی سرکار عظمت مدار ہے) تو امور مصرحہ سے ہر ایک کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ بریں ہمہ بلحاظ وسعت و آبادی موجودہ یہ ریاست آبدنت افغانستان سے بڑی۔ ایران سے کچھ چھوٹی۔ رومانیہ سے دگنی اور یونان سے تگنی ہے بیچاری بلگیریا۔ مانٹینگرو۔ سرویہ۔ بلجیم۔ ڈنمارک کی ریاستیں تو اس کی جاگیروں کا رتبہ رکھتی ہیں۔ غرض یہ ایک زر بیز مردم خیز باسطوت و جبروت سلطنت ہے اور ہمارے

مستغنی عن الالقاب اعلیحضرت میر عثمان علی خاں بہادر خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

ایسی عظیم الشان مملکت کے عادل باذل شجاع مدبر اور خود مختار فرمانروا اور ۴ رمضان ۱۳۲۹ھ سے سریر آرائے شہریاری ہیں۔ آپ کا عہد مظفر و منصور اور گوناگون ترقیوں سے معمور ہے۔ آپ میں مامون کی سی علم دوستی جہانگیر کی سی بیدار مغزی شاہجہاں کی سی عمارت پسندی اور حضرت عالمگیر کی سی پرہیزگاری بدرجہ اتم موجود ہے!

ف۱ جن لوگوں نے عربی و فارسی کے ذخائر علمی کو نہیں دیکھا ہے یا بوسیدہ و گرد آلود نقاب میں دیکھا ہے وہ یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ جو کچھ بھی ہے وہ انگریزی زبان میں ہے اور عقل و تمیز بھی انگریزی پڑھنے ہی سے آتی ہے اس لئے اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ نے بہ توجہ خسروانہ قرطبہ و بغداد کے علمی کارناموں کو قدیم شان و شوکت کے ساتھ عدم سے وجود میں لانے کے لئے کروڑوں ہی کے مصارف سے عثمانیہ یونیورسٹی اور دار الترجمہ کو قائم اور ان کے لئے معقول تنخواہیں دیکر مشاہیر عالم کو ایک جا جمع فرما دیا ہے اس سے نہ صرف آئندہ نسلیں انگریزی کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی کی ماہر و متبحر ہوں گی بلکہ ہر ایک زبان کی ضروری کتاب ترجمہ کے ذریعہ عام لوگوں کو میسر ہو سکے گی اور اردوئے معلیٰ بھی ایک علمی زبان بنکر تنگ مایگی کے الزام سے نکل آئیگی اور اس کی شہنشاہی کا پھریرا تمام ہندوستان پر قدر و قیمت کی ہوا میں لہراتا رہے گا اس کے سوا مصارف تعلیمی و رفاہ عام حسب ذیل ہیں

عدالت سے محبت ہے اراکینِ ریاست کو
کوئی دیکھے دکن میں آکے آئینِ اطاعت کو

فروغِ مہر حاصل ہے براہینِ وکالت کو
کہ سر آنکھوں پہ رکھتے ہیں فرامینِ سیاست کو

خدا رکھے سلامت میر عثمان علی خاں کو

ہنروریاں ہنر کی داد اور انعام لیتے ہیں
مسرت سے ستم دیدہ بھی شہ کا نام لیتے ہیں

دیانت سے حکومت کے مزے حکام لیتے ہیں
کہ اس کے نام سے وہ سو طرح کے کام لیتے ہیں

خدا رکھے سلامت میر عثمان علی خاں کو

ماہوارات خاص و جیب	۱۰۰۰ [illegible]	تعلیمات	تقریباً ایک کروڑ	یہ تمام مصارف دیوانی کی فہرست سے
منصب و وظائف امدادیہ	۲۲۳۶۰۰	طبابت	۱۲۵۰۰۰	صرفِ خاص مبارک پائیگاہ اور
مدارس بیرونِ ملک	تقریباً ۴ لاکھ	کتب خانہ آصفیہ	۱۸۶۸۲	جاگیروں کے مصارف اس کے علاوہ ہیں

ف[۱] اعلیٰ حضرت ایک زمانہ تک بہ نفس نفیس بغیر مدد وزیر امورِ سلطنت کو بتفصیل انجام دیتے رہے اور اس شغف و بیدار مغزی سے کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ بات بھی حضور کے گوش حق نیوش سے پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی۔ اب باب حکومت کے افتتاح سے مشاغل ملکی میں ایک گونہ کمی ہو گئی ہوگی جس کی صحت بابرکت کے لیے سخت ضرورت تھی

ف[۲] آپ کے عہد معدلت مہد کا وہ سب سے زیادہ معظم و مفخم کارنامہ جس کو رعایائے دکن ابد الآباد تک نہایت احترام و امتنان کے ساتھ یاد کرتی رہیگی۔ شاور ہم فی الامر کی تعمیل میں باب حکومت کے افتتاح سے اسلامی نمونہ پر سلطنت شخصی کو حکومت جمہوری سے بدل دینا ہے۔ نئی حکومتوں کی سعیٔ جمہوریت کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی اب تک خائب و قاصر ہے مگر یہاں یہی امر سترگ بغیر خواہش و درخواست اس طرح نکل آیا جس طرح گل سے بو نکلتی ہے ع خدا رکھے سلامت میر عثمان علی خاں کو

ف[۳] دیکھیے تو انسان ایک ضعیف البنیان ہے خصوصاً بیماری کے زمانہ میں کچھ ایسا حال ہو جاتا ہے کہ یہ ایک معمولی شئے کو بھی آسانی سے اٹھا نہیں سکتا مگر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اقتدار کائنات میں یہ کس قدر حصہ لے سکتا ہے تو اس کی بہت ساری عجیب و غریب کارگذاریاں نظر آتی ہیں ان میں سب سے زیادہ شاندار و حیرت ناک کارگزاری ہائیکورٹ کی فلک فرسا تعمیر ہے آج سے چند ہی سال پہلے عام ندیوں کی طرح موسیٰ ندی بھی نظر میں انہیں بھرتی تھی مگر اب یہی رود موسیٰ ایک دلہن بنکر اپنے پہلو دل میں دیوار چین کو دبائی ہوئی ہے اور اس کے ہر دو جانب سر بفلک عمارتیں کھڑی ہوئی ہیں جن پر نظر پڑتے ہی بے ساختہ تعجب سے یہ خیال آتا ہے کہ کل یہ آسمان شکوہ پہاڑ کہاں تھے اور کس حال میں تھے اور آج کہاں ہیں اور کس شان میں ہیں اس خیال سے حضرت انسان کی عظمت و شوکت میں جو بیش بہا اضافہ ہو جاتا ہے وہ اس کے اشرف المخلوقات ہونے کی ایک ادنیٰ دلیل پیش کرتا ہے اس انسانی قدرت کو [illegible]

ومن یھدِ اللہ فھو المھتد ومن یضلل فلن تجد لھم اولیاء من دونہ

بلاغ المبین

یعنے

موعظت خیز و درد انگیز قومی نظموں کا ایک دلاویز مجموعہ

مصنفہ و مولفہ

ہیچمدان ابو محمد سید حسین سیفی سبحانی عفا اللہ عنہ

محاسب ضلع (   ) متوطن بیدر و حیدرآباد دکن

مصنف

ہندوستاں وشقستاں دابر رحمت خیز

سنہ ۱۳۴ ف

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

[illegible]

[illegible]

الٰہی وہ بھی کیا دن تھے کہ تھے محسودِ دشمن ہم
ترے احکام سے پاتے تھے اپنے دل کو روشن ہم

خطاب مومن و مسلم پہ تھے سو جان سے قرباں
جھکا دیتے تھے ہر آوازِ حق پر اپنی گردن ہم

نگاہیں لیس للانسان الا ما سعیٰ پر تھیں
نہ تھے راحت پرستی کی بدولت اپنے دشمن ہم

ہمیں کو دیکھتے تھے سب با کا نام سنتے ہی
کہ پھیلاتے نہ تھے غیروں کے آگے اپنا دامن ہم

لہ پرچہ نویسوں نے جب حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ جناب خالدؓ نے کسی شاعر کو دس ہزار روپے انعام عطا کئے ہیں تو آپ نے فوراً احکام تنزلی جاری کئے اور لکھا کہ اگر اس قدر انعام ذات سے دیا گیا ہے تو اسراف ہے بیت المال سے دیا گیا ہے تو خیانت اور یہ دونوں شکلیں مستوجب سزا ہیں قاصد نے حسب احکام حضرت خالدؓ کو مجمع عام میں طلب کر کے پوچھا کہ یہ انعام کہاں سے دیا گیا ہے حسب ہدایت خلیفہ کے اقرار پر درگذر کرنے کا حکم تھا لیکن حضرت خالد اس پر راضی نہیں تھے اس لئے قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر اس سپہ سالار کے سر سے جس کی نظیر نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ دنیا بھر کی تمام تاریخوں سے کسی تاریخ میں مل نہیں سکتی۔ اور جس کی تلوار نے بڑے بڑے سورما بہادروں کو نیچا دکھا کر عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اور جس کو یورپین لوہے کا برج کہتے ہیں عمامہ اتار لیا اور اسی عمامہ سے مشکیں کس دیں اور حضرت خالد حکم خدا کی تعمیل میں سر تسلیم خم کئے ہوئے خاموش تھے اللہ اللہ کیا عدالت اور حق پرستی تھی

ہمارے بیٹھنے کو مسندِ چشمِ زمانہ تھی
ہمارے گلشنِ علم و ہنر کے خوشہ چیں سب تھے
رخِ مقصود کا نظارہ کر لیتے تھے فریادی
خیال آتا نہ تھا مجبوریوں میں استعانت کا
ترے فضل و کرم کی آس ہی دلوایا آس تھی
مساجد یعنی تیرے گھر ہماری جلوہ گاہیں تھیں

خوش اخلاقی سے رکھتے تھے دلوں میں اپنا مسکن ہم
کہ تھے ہر فن کی دستارِ فضیلت سے مزیّن ہم
ورائے انصاف پر رکھتے نہ تھے پردہ نشین ہم
تماشا کرتے تھے میدانِ عمل میں اپنا شیون ہم
سمجھ لیتے تھے حسنِ جسم کو اپنا ہی دامن ہم
بنا لیتے تھے اپنے بھائیوں کو اپنا شیون ہم

ایک دفعہ سلطان منصور جہاد کرتا ہوا دشمنوں کے ملک میں بہت دور تک چلا گیا واپسی میں ایک تنگ و تاریک درہ سے گزرنا پڑتا تھا مخالفین اس موقع کو غنیمت سمجھ کر درہ پر قابض ہو گئے اس نیت سے کہ چوطرف سے گھیر کے اور ہر طرح بے دست و پا کر کے انھیں وہیں ختم کر دیا جائے۔ جب منصور کو اس کی اطلاع ملی تو مطلق کسی بات کا خوف نہیں کیا اور نہایت استقلال سے وہیں قیام کر کے نہ صرف دشمنوں کے خطرناک حملوں کے جواب دیتا رہا۔ بلکہ قریب قریب کے شہروں پر تاخت کر کے ایک اودھم مچا دی۔ دشمن یہ رنگ اور مستقل سکونت کا ڈھنگ دیکھ کر گھبرا گئے اور کہا کہ لوٹ کا مال اور عیسائی قیدی واپس کر دیئے جائیں تو جانے کی اجازت دی جائے گی منصور نے کہا کہ مسلمان جو چیز کافروں سے لے لیتے ہیں پھر اس کو واپس نہیں کرتے اس لئے یہ ہو نہیں سکتا۔ اگر مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ جانے دیں تو چلا جاؤں گا۔ دشمن اس پر راضی نہیں ہوئے اور منصور عیسائی ممالک پر بدستور حملے کرتا رہا جب فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور فوجی قوت دن بدن بڑھنے لگی تو عیسائی بہت سٹپٹائے اور اجازت دی کہ مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ واپس ہو جائیں منصور نے کہا کہ یہ تو پرانی باتیں ہیں۔ اب ہماری واپسی کا موقع نہیں رہا پہنچتے پہنچتے دوسرے جہاد کا زمانہ آجائے گا اور واپسی سے جو اغراض وابستہ ہیں وہ پوری نہ ہوں گی ایسی شکل میں آمد و رفت کی تکلیف برداشت کرنا فضول ہے۔ اس جواب سے عیسائیوں کے ہوش اڑ گئے اور مارے خوف کے جسموں میں خون کی ایک بوند نہیں رہی آخر نہایت عجز و الحاح کے ساتھ درخواست صلح پیش کی اور ہر ایک شرط پر راضی ہو گئے جب منصور واپس ہوئے ہیں تو عیسائیوں نے اپنی مشہور ہمدردی کو بالائے طاق رکھ کر جملہ مال غنیمت کے ساتھ ہزارہا عیسائی قیدیوں کو خود ہانکتے ہوئے اسلامی علاقہ تک پہنچا دیا اور اس طرح معاہدہ کی تکمیل کی

جن میں قوت ہے وہ کب ہوتے ہیں تابع غیر کے (مصحفی) پیر سے نے میں شیر کے ہرگز کبھی ہوتی نہیں

مصلحتِ قوم ہی کچھ ہے یہ آزاد روش | جن کو پابندی اسلام میں آرام نہیں
سجدۂ نفل میں کیا لطف ملیگا اُن کو | ترک واجب ہی جنہیں موجب آلام نہیں
جن کو معلوم ہے کچھ فلسفۂ صوم و صلوٰۃ | اُن پہ تو فرض مگر طاعت اسلام نہیں
ترک تعلیم و تعلّم سے بنا ہے ادبار | اور یہ امر یقیں مورد اوہام نہیں
ابتدا ہی سے ہے تعلیم کی بنیاد خراب | کہ خردمند بھی تو واقف احکام نہیں

لہ ۱۱۹۱ء میں بیت المقدس کو مسلمانوں سے لے لینے کے لئے تمام شاہان یورپ نے متفقہ کوشش کی اور لاکھوں فوج کے ساتھ خود شریک جنگ ہوئے مگر سلطان صلاح الدین کی مساعی مجاہدانہ کے آگے کسی کی ایک نہ چلی شاہ فرانس تو مایوس ہوکر واپس ہو گیا لیکن رچرڈ شاہ انگلستان کثرت فوج کے بھروسہ پر کچھ دنوں اڑا رہا۔ لڑائیاں جاری تھیں مگر ہر جگہ شکست ہی ہوتی تھی اس لئے صرف یورو شلیم و صلیب اعظم کے دے دینے پر واپس جانے کا ارادہ کیا اور اس کی تکمیل کے لئے سلطان کے بھائی ملک العادل کو جس کے نکاح میں رچرڈ اپنی بہن ملکہ جین کو دینا چاہتا تھا وکیل بنایا مگر سلطان نے کہا کہ جب تک میری فوج کا ایک سپاہی بھی باقی ہے اسلامی فتوحات سے چپہ برابر زمین نہیں نکل سکتی اور صلیب کو واپس کرکے میں بت فروش بننا نہیں چاہتا۔ رچرڈ اس جواب سے مایوس ہو کر بیت المقدس پر حملہ کرنے کے خیال کو بہت آب و تاب سے شہرت دینے لگا اس نے سلطان بیت المقدس جاکر اس کے استحکام میں مصروف ہو گئے فصیل کی مرمت میں سلطان ان کے شاہزادے اور تمام اُمرا عام مزدوروں کی طرح پتھر۔ چونا مٹی اُٹھاتے اور معماروں کی ماتحت رات دن کام کیا کرتے تھے کھانا پینا راحت و آرام سب چھوڑ دیا تھا۔ عزیزو! یہ تھے وہ بے غرض و بے نفس خادمان ملک و ملت جن کی قلیل فوج کے ہاتھوں یورپ کی آراستہ ہوئی چھ لاکھ فوج سے صرف چند ہزار بچ کر گئے تھے

عہ عالمگیر کی شاہزادگی اور مہم بلخ کا واقعہ ہے کہ ایک وقت اثنائے جنگ میں نماز ظہر کا وقت آگیا حضرت عالمگیر فوراً اُترے نماز کے لئے آمادہ ہوگئے۔ بازار جدال و قتال گرم ہے۔ اور ہر طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی ہے مگر آپ ہیں کہ اطمینان و متانت کے ساتھ نماز ادا کر رہے ہیں۔ اور ایسے وقت بھی نوافل کو ترک نہیں کیا۔ دشمن یہ حال دیکھکر اس اندیشہ سے کہ ایسے دیندار و مستقل مزاج شخص سے لڑ کر کامیاب ہونا مشکل ہے لڑائی سے ہٹ گیا

سلطان الپ ارسلان نے بھی محاصرۂ شہر غال لال کی جنگ میں ایک ایسے ہی وقت عین تیر و تفنگ کی بارش میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کی ہے۔ بھائیو جن بزرگوں نے ایسے کٹھن موقعوں پر نماز ترک نہیں کی کیا اُن سے کسی اور وقت کی نماز میں غفلت ہو سکتی تھی ہرگز نہیں۔ اور یہ ایسے تھے اُنہیں دوست رکھتے ہوں گے۔ اور عام طور پر پابندی صوم و صلوٰۃ کا کیا عالم ہوگا۔ ایک یہ زمانہ ہے کہ حکام خود نماز پڑھتے ہیں نہ انھیں کا نماز پڑھنا انہیں اچھا معلوم ہوتا ہے۔ افسوس

لا الیٰ ھٰؤلاء ولا الیٰ ھٰؤلاء

غیر مسلم بھی مسلمان کہے جاتے ہیں — علم مادہ ہیں عمل سے تمہیں کچھ کام نہیں
علم اک اسم ہے اور اس کا مسمی ہے عمل — جب مسمی ہی نہ ہو تو اسم خوش انجام نہیں
ایک ہی دائرہ میں جاہل و عالم جب ہیں — اس سے ظاہر ہے کہ یہ محرم اسلام نہیں
غیر کہتے ہیں موحد کے عوض ہیں مشرک — شہر والوں کیلئے کیا ہی دشنام نہیں

ف۔ حضرت امام بخش [illegible] میں پیدا ہوئے اور [illegible] میں انتقال فرمایا آپ پچاس برس نفلی روزے رکھتے رہے اور شب کو زمین سے پشت نہیں لگائی عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرماتے تھے جس جگہ وصال ہوا ہے اسی مقام پر آپ نے سات ہزار کلام مجید ختم کئے تھے پچپن حج کئے اور راہ خدا میں بے شمار دولت صرف کی ایسے بزرگوں کے مقابلہ میں ان کا قول کس طرح قابل قبول ہو سکتا ہے جو نماز کے بھی پابند نہیں ہیں اگر ان واقعات ہی کو دور از قیاس سمجھ لیا جائے تو یہ محض غلط ہے کیونکہ قریب قریب ایسے ہی زہد و اتقا کے بزرگ بفضلہ تعالیٰ اب بھی موجود ہیں مگر ان لوگوں کو اس کی کیا خبر جن کا دین و ایمان ہی کھانا پینا اور جن کے حق میں دو رکعت نماز کا پڑھنا جوئے شیر کا لانا ہے بھائیو! صحت و طاقت اللہ کی دین ہے ہماری کوششوں کا صلہ نہیں ہے صرف ایمان راسخ چاہیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر مرشدی و مولائی حضرت غلام رسول صاحب قبلہ کے واقعات چشم دید مجملاً عرض کئے جائیں۔ آپ تقریباً پچاس سال سے ایک لحظہ کے لئے بھی کبھی بے وضو نہ رہتے تھے اور اس عرصہ مدت میں نماز پنجگانہ سے مع سنن و نوافل و تہجد و اشراق کوئی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی ہر ایک نماز کو اس کے اچھے وقت میں ادا کرنے کا بیحد شوق تھا ایک بجے رات سے صبح تک ذکر و اشغال میں اور ناشتے کے بعد آٹھ نو بجے تک کلام مجید کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے تادم زیست فرض روزے قضا نہیں ہوئے کوئی وقت پاس انفاس سے خالی نہیں تھا مشاغل سرکاری اہم اور لاکھوں کے مصارف آپ کے زیر نگرانی تھے لیکن جھوٹ تو کیا زمانہ سازی کی بھی کوئی بات آپ سے کبھی سنی نہیں گئی غذا میں چپاتی شوربے کے حتی الامکان پابند تھے وہ بھی بقدر سد رمق۔ اولیائے کرام کی زیارتوں کے شوق میں تمام ہندوستان کی آپ نے سیاحت کی۔ آخر عمر میں حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ مدینہ منورہ کے واقعات آپ اس اخلاص سے بیان فرماتے تھے کہ سامعین پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ آپ کے در سے کوئی سائل محروم واپس نہیں ہوا آپ کا ارشاد تھا کہ سنی و شیعہ کے جھگڑوں میں پڑنے سے بزرگان دین کی عظمت دل سے دور ہو جاتی ہے آپ کا سلسلہ نسب پدری حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے اور نسب مادری حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملتا ہے آپ قدوۃ السالکین حضرت سردار بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مریدان خاص سے تھے چند اشخاص کے سوا کسی کو باوجود تشدد و اصرار مرید نہیں فرمایا اسی سال کی عمر میں سلخ جمادی الاول [illegible] کو راہی خلد بریں ہوئے۔ مزار فائض الانوار حضرت سردار بیگ صاحب رحؒ کی درگاہ شریف میں ہے

اپنے ہاتھ جو نہیں آپ تو کچھ کام چلے | آخری وقت ہے عہد میں قیام نہیں
ایک وہ ہیں جو ملا کرتے ہیں دنیا بھر سے | ایک ہم ہیں کہ کسی سے ہمیں کچھ کام نہیں
ایک ہم ہیں کہ ہو راحت ہمیں کمبختوں میں | ایک وہ ہیں کہ جنھیں عیش میں آرام نہیں

جذباتِ دل

بھائیو سمجھو اور احباب کو سمجھاؤ بھی | میرے مضمون تو مست کش پیام نہیں
خیر خواہانہ خیالات ہیں حسب ادراک | وہ نہ ہے فہم نہیں اور ہوس نام نہیں
ہمت و شکر و تحمل ہے کلید اقبال | ان سے کیا جنھیں رونے کے سوا کام نہیں

یہ مسیلمہ کذاب اپنی قوم کے ساتھ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا تھا اور کچھ دنوں بعد درخواست کی تھی کہ آں حضرت اس کو اپنا جانشین بنائیں لیکن یہ درخواست رد کر دی گئی جس کی وجہ یہ مکار اپنے وطن یمامہ کو بھاگ گیا اور خود دعویٰ نبوت کر کے شعبدہ بازی سے لاکھوں کو اپنے دام تزویر میں پھانس لیا یعنی وہ تمام بھگوڑے وضع الوقت کے لئے اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے تھے جن کو ارکان اسلام کی پابندی ایک پہاڑ معلوم ہوتی تھی آفتاب نبوت کے غروب کے بعد اس کی فوجی قوت سخت خطرناک ہو گئی تھی اور اسلام کے لئے یہ زمانہ بہت ہی نازک تھا لیکن حضرت صدیقؓ نے نہایت ہمت و تحمل کے تمام مشکلات کا مقابلہ فرمایا اور ہر ایک مشکل پر غالب آ گئے اور اس کذاب کی سرکوبی کے لئے بھی تیرہ ہزار فوج کے ساتھ جناب خالدؓ کو روانہ فرمایا مسیلمہ کذاب اپنی پوری قوت اور اس فوج کے ساتھ جس کے صرف مقدمۃ لشکر میں چالیس ہزار جرار سوار تھے مقابلہ کو نکلا اور سخت لڑائی کے بعد شکست کھا کر ایک وسیع باغ میں جس کی دیواریں قلعہ کی طرح بلند اور پختہ تھیں مع فوج چھپ گیا اور باغ کے دروازے بند کر لئے دیوار پر چڑھنے کی بہت سعی کی گئی لیکن کامیابی نہیں ہوئی آخر ایک شیر دل مسلمان نے ساتھیوں سے کہا کہ...... مجھ کو ڈھال میں بٹھا کر نیزوں سے اٹھاؤ اور اندر پھینک دو موقع ملے تو باغ کا دروازہ کھول دوں گا یا شہید ہو جاؤں گا ایسا ہی ہوا لیکن یہ فدائے اسلام مشرکین میں گھر کر داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گیا حضرت خالدؓ کو اس کی جانبازی پر رشک ہوا اور بے چین ہو کر گھوڑے کی باگ اٹھا دی اور ایک ہی جست میں باغ کے اندر ہو گئے کسی مشرک پہلوان نے پہچان لیا اور تحسین کرتے ہوئے بے تحاشا گلے پڑا اور سات زخم لگائے۔ حضرت خالدؓ نے بھی اس کو پچھاڑ کر ذبح کر ڈالا اتنے میں دشمنوں کا ہجوم ہو گیا اور دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ آپ پہلے ہی زخموں سے چور تھے اس پر یہ ہنگامہ مگر وہ اس بے مثل شجاعت خالدی کہ ہزاروں سے لڑتے ہوئے الٹے پاؤں دیوار تک پہنچے اور ایک ہی جھلانگ میں باہر ہو گئے اور اسی جوش میں اپنی ساری فوج کے ساتھ ایک زبردست حملہ کر دیا اور باغ کی دیوار توڑ کر اندر داخل ہو گئے اور کشتوں کے پشتے لگا دیے ستر ہزار مشرک قتل ہوئے اور باقی بھاگ گئے مسیلمہ کذاب بھی بھاگتے ہوئے پکڑا گیا اور قتل ہوا اور لشکر اسلام مظفر و منصور واپس ہوا

ختم ہو گئی یہ شب غم بھی پریشانی کیوں	صبح جس کی نہ ہو ایسی تو کوئی شام نہیں
نیند سے خود ہی جگایا نہیں دق کر کے	اب جو ہم اٹھے ہیں آنکھوں میں ہنگام نہیں

ردِّ مخالفین اسلام

بڑھ کے مسلمان جہاں لشکر سے نظر آتے ہیں	ان سے مخصوص کوئی ملک نہیں نام نہیں
اور ہوتے بھی ہیں ہر روز مسلمان بہت	کششِ صدق ہی ترغیب ہے دوجا نہیں

ل بحسب اندازہ و مردم شماری مستقصین بفضلہ تعالیٰ تمام دنیا میں اس وقت ۴۳ کروڑ مسلمان ہیں اور تقریباً اسی قدر مطیع اسلام یعنی مذہب اسلام کو اپنے مذہب سے اچھا سمجھنے والے۔ کسی بر اعظم کا کوئی شہر اور کوئی قصبہ ایسا نہیں ہے جہاں مسلمان نہ ہوں، صرف ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان ہیں حالانکہ مذہب اسلام کی اشاعت ہمیشہ تلوار سے روکی جاتی رہی ہے اور نو مسلم بجبر عیسائی بنائے جاتے رہے ہیں۔ چنانچہ مسلمانان اندلس کا حشر کسی سے مخفی نہیں ہے۔ مذہب اسلام کی ابتدا آنحضرت سے ہے اور آپ اولاً بے یار و مددگار بنفس نفیس تھے آپ کے ساتھ کوئی لشکر نہیں تھا بعثت کے پہلے چند سالوں میں بھی کم تر اور بعد میں آپ کی مختصر سی جماعت بہ جبر چند تنہا دکھائی گئی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں جب مسلمانوں کی تعداد کچھ بڑھی اور ساتھ ہی اعدائے اسلام کے مظالم زیادہ ہو گئے تو حفاظت خود اختیاری کے زیر اثر ان کا انسداد ایک امر لازمی تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ تدابیر انسدادیہ میں جو لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں کس کی فوج زیادہ تھی۔ اگر اسلامی فوج اپنے سے دس دس بیس بیس گنی فوج پر فتح حاصل کرتی رہی ہے تو یہ کہنا کہ مذہب اسلام کی اشاعت بزور شمشیر ہوئی ہے کس قدر خلاف واقعہ ہے۔ ہاں یہ کہا جائے کہ دنیا کی متفقہ طاقت نے ترقی اسلام کو روکنے کی امکان بھر سعی کی اور کامیاب نہ ہو سکی تو بالکل صحیح ہوگا بعض یہ بھی سمجھتے ہیں کہ عرب ایک سخت جنگجو قوم تھی اس لئے دوسری نازپروردہ قومیں اس کے مقابلہ میں نہ ٹک سکیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ ابتدائی لڑائیاں عربوں کے مقابلہ میں عربوں ہی نے کی ہیں

ل جب تاتاریوں کی سلطنت چین سے مصر تک اور بنگالہ سے پولینڈ تک وسیع ہو گئی اور ہر جگہ اچھی طرح تسلط جم گیا تو یہ مذہب کی طرف متوجہ ہوئے کیونکہ تاتاری کسی مذہب کے پابند نہیں تھے اور بظاہر مذہب زردشت کو اچھا سمجھتے تھے لیکن ان کے مفتوحہ اکثر ممالک اسلامی تھے اس لئے مسلمانوں کے اخلاق و رسم و رواج دیکھنے کا بھی موقع تھا اور آفتاب اسلام کی صداقت آمیز شعاعیں اپنا دلاویز جلوہ دکھانے لگیں جس کی وجہ سے وہ اس طرف زیادہ متوجہ ہو گئے۔ ایک دن ہلاکو اولیائے کرام کی تعریف سنکر حضرت خواجہ ابو یوسف و خواجہ محمد کو جو اس کے علاقہ کے مشہور ولی تھے بلایا اور امتحان کے لئے راستے میں آگ بچھا دی یہ حضرات آگ پر سے گزرتے ہوئے ہلاکو کے قریب پہنچ گئے۔ بیٹھنے کے بعد زہر کے پیالے پیش کئے گئے ان کو بھی پی لیا تو سیسہ پگھلا کر حلق میں ڈالا گیا جس کا ان فنا فی اللہ اتقیا پر کوئی اثر نہیں ہوا آخر ہلاکو صداقت اسلام کا قائل ہو گیا اور [illegible] مع مرید اکثر مغل مسلمان ہو گئے اگر اسلام کے بزور شمشیر پھیلنے ہی پر اصرار ہے تو کوئی اس کی وجہ بتلا سکتا ہے کہ تاتاری مسلمان کیوں ہوئے اور چین میں مسلمان بکثرت کیوں موجود ہیں جہاں شمشیر اسلام فاتحانہ شان سے کبھی گئی ہی نہیں

ہر مسلمان کے سینہ میں ہے وقعت اس کی — کون کہتا ہے کہیں عزت اسلام نہیں
ساری دنیا کا یہ مذہب ہے سب آئین یہی — نہ سہی الا الرحمیٰ جو صفت عام نہیں
عرب و شام ہی کا کس لئے یہ ہو رہتا — کیش تثلیث نہیں مذہب اصنام نہیں
تار برقی کا تعلق تو نہیں ہے لیکن — متفق دل سے ہیں دل حاجت ادغام نہیں

لہ محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں جو ۷۲۴ھ میں سریر آرائے سلطنت ہند تھا ملتان سے دہلی کو جن کی مسافت
پانسو میل سے زائد ہے صرف پانچ دن میں ڈاک کے ذریعہ خبریں پہنچا کرتی تھیں اور اسی ڈاک کے ذریعہ
بادشاہ کے لئے خراسان سے تازہ میوے بھی منگوائے جاتے تھے۔ دولت آباد کی سنگین اطلاعیں
دہلی کو جو (۸۰۰) سو میل کے فاصلہ پر ہے تھوڑی دیر میں اس طرح پہنچائی جاتی تھیں کہ ہر ایک چوکی پر جو
بڑے بڑے نقارے رکھوا دیے گئے تھے وہ ضرورت کے وقت مقررہ قواعد کے موافق علی التسلسل
بجا دیے جاتے تھے اور واقعات متعلقہ سے واقف رہنے کی وجہ اصل واقعہ کی صحیح اطلاع بادشاہ
کو بروقت مل جاتی تھی اب بھی ایسے نقارے ضلع بیدر میں موجود ہیں جن سے محرم میں بطریق مذکور کام لیا
جاتا ہے۔ سلطان نور الدین کے عہد میں کبوتروں سے نامہ بری کا کام لیا جاتا تھا اور ان کی تعلیم کا خاص
ایک دفتر ہی مقرر تھا محاصرہ عکہ کے وقت ان کبوتروں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں ہارون الرشید
کے زمانہ میں بھی ضروری اطلاعوں کے بروقت ملنے کا کافی انتظام تھا چنانچہ مامون کے کمانڈر طاہر بن حسین
نے امین الرشید کی فوجوں کے مقابلہ میں اپنی کامیابی کی اطلاع (۵۰۰) میل کے فاصلہ سے صرف تین
دن میں پہنچائی تھی۔ تعلقہ بسمت نگر ضلع پربھنی میں مجھے ایک ایسے شخص سے بات چیت کرنے کا
اتفاق ہوا ہے جو بسمت سے اورنگ آباد کو ایک ہی دن میں پہنچتا تھا اور بسمت سے ریل کے ساتھ
نکل کر ہنگولی کو ریل کے پہنچنے سے پہلے پہنچ جاتا تھا اس کی یہ تیز رفتاری معقول معاوضہ کے صلہ میں
ہوا کرتی تھی اور ساہوکار ایسے ہی کام اس سے لیا کرتے تھے اور اس کا پیشہ ہی یہ تھا۔ اس کی تیز
رفتاری کے ایسے ہی عجیب و غریب واقعے اپنے دو سالہ قیام بسمت نگر کے زمانہ میں اکثر سنتا رہا
ہوں۔ خیر یہ تو اسباب ظاہر تھے روحانی تصرفات ملاحظہ فرمائیے کہ نبی کریم نے میدان جنگ موتہ
بچشم اشراق ملاحظہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ زید شہید ہو گیا اسی طرح جعفرؓ و عبد اللہ کی شہادت
سے بھی اطلاع دی اور اس کے بعد فرمایا کہ اب خدا کی شمشیروں سے ایک شمشیر نے جس کے ہاتھ
پر فتح ہوگی علم کو اٹھا لیا ہے حالانکہ آپ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے اور شہر موتہ بیت المقدس
سے دو منزل کے فاصلہ پر واقع ہے باسناد حسن مرقوم ہے کہ ایک جمعہ کو اثنائے خطبہ میں حضرت عمرؓ نے
دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہٹ جا لوگ اس بے موقع جملہ سے متعجب ہوئے
مگر حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا پتہ مل جائیگا چنانچہ ایک مہینے کے بعد قاصد فتح کی خوشخبری
لے کر آیا تو اس نے کہا کہ ایک وقت ایسے موقع پر کہ ہماری فوج کو شکست ہو رہی تھی تین مرتبہ یہ
آواز آئی کہ اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہٹ جا جب ہم پہاڑ کی طرف ہٹ گئے تو ہمیں کامیابی نصیب
ہوئی۔ ملفوظات اولیائے کرام میں ایسے صدہا واقعات ہیں مگر ہم نے صرف انہی سے دو واقعات
کو درج کر دیا ہے جن کا معتبر کتب تاریخ میں تذکرہ ہے

وہ مسلماں ہی کب ہیں اُنھیں دشمن سمجھو | جن کو اسلام کے احکام سے کچھ کام نہیں
دامن رحم میں لیتا ہے ہوا خواہوں کو | زجر و توبیخ و جفا شیوۂ اسلام نہیں[1]
گدکی نہروں سے کنارے ہیں مکدر لیکن | بیچ دریا میں تکدّر کا کہیں نام نہیں
یہ کہیں ہو کہ نو آموز بھٹک جاتے ہوں | غلطی ان کی مگر مشترک و عام نہیں

لوازم ادبار

وقت ادبار تو اچھے بھی بُرے بنتے ہیں | کیا یہی ضابطہ گردشِ ایام نہیں

[1] مسلمان ہندوستان میں فاتحانہ شان سے آئے تھے۔ اور اُصولاً فاتح قوم کو زراعت و تجارت سے کوئی تعلق نہ رکھنا چاہیے۔ اسلئے مسلمانوں نے بھی ان مفید ترین چیزوں میں کوئی حصہ نہیں لیا اور نے کس طرح سکتے تھے جب کہ اُن کے لئے قومی وقار قائم رکھنے کے لئے ہر جگہ زیادہ سے زیادہ عزت و حکومت کی خدمتیں دست بستہ کھڑی ہوئی تھیں۔ اور سلطنت کی ضرورتوں کو پورا کرنا ہی اُن کا اولیں فرض تھا زمانہ زوال تک یہ انہی ضرورتوں کی تکمیل میں لگے رہے۔ جب حکومت ہاتھ سے نکل گئی اور تمام ذرائع معاش یک لخت بند ہو گئے تو ان کے لئے ان پریشانیوں کے سوا جو اس وقت دامنگیر ہیں اور کیا تھا۔ زراعت کی طرف دیکھئے تو وہ دوسروں کے قبضہ میں ہے اور ایک انچ زمین مل نہیں سکتی تجارت کی طرف دیکھئے تو سرمایہ کی ضرورت ہے جو نام کو نہیں کیونکہ پس انداز کرنے کے لئے تاجرانہ طبیعت چاہیئے اور یہ تو دل و دماغ ہی فاتحانہ رکھتے تھے اس لئے پھر پھر کے ملازمت کی طرف آنا پڑتا ہے اور اس کے لئے حکومت کے اندر دیکھتے ہیں تو اُس کی زبان جُدا۔ قواعد و قوانین جُدا۔ رفتار و کردار جُدا غرض سراپا ٹیڑھی کھیر۔ جب پسماندگان حکومت یعنی قدیم مسلمان ہی ان مصائب میں گرفتار ہیں تو بیچارے ان نو مسلموں کا کیا حال ہوگا۔ جن کی تعلیم کا کوئی انتظام ہے نہ تربیت کا ایسی صورت میں مسلمانوں کو جو کچھ بھی کہا جائے وہ بجا و درست ہے۔ زمانہ کی یہ گردشیں ناگزیر ہیں جن سے کسی قوم کو مفر نہیں

[2] مذاہب عالم سے اکثر مذہب تو ایسے ہیں کہ اُن میں کوئی شریک ہی نہیں ہو سکتا۔ بعض ایسے ہیں کہ اُن میں کوئی شریک ہوتا ہے نہ تبلیغ کی جرات کی جا سکتی ہے چند مذاہب ایسے ہیں کہ ان میں شرکت بھی ہوتی ہے اور تبلیغ بھی۔ لیکن شرکت کے قواعد دشوار ہیں۔ مگر مذہب اسلام ایک ایسا مذہب ہے کہ جس کی شرکت بھی آسان ہے اور تبلیغ بھی۔ خواہ مخواہ اصطباغ کی طرح کسی رسم کی پابندی نہیں اسی طرح اس مذہب سے خارج ہونے کی بھی تشہیر نہیں ہوتی جو شخص جس وقت چاہے شریک بھی ہو سکتا ہے اور خارج بھی احکام مذہب اس قدر عام ہیں اور مذہبی کتب اس قدر سہل الحصول ہیں کہ کوئی شخص کسی کو دھوکا نہیں دے سکتا نہ کسی مولوی و ملا کی کسی بات میں محتاجی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک مسلمان مذہباً

ٹھوکریں کھائیں اُجالے میں تو ملزم ٹھیریں
اور اندھیرے میں جو گر جائیں تو الزام نہیں

جاگنے والے ہی سو رہتے ہیں ہم بھی سوئے
کہ بشر ہی ہیں فرشتہ نہیں انعام نہیں

مصری بنتی ہے نمک کانِ نمک میں سیفیؔ
اچھے معدہ کو غذا موجبِ اسقام نہیں

عرصۂ جنگ میں جس فوج کے افسر ہی ہٹیں
بھاگ جائے بھی تو وہ موردِ الزام نہیں

مہ و خورشید سے کچھ نفع نہیں اندھوں کو
ہم بُرے ہونگے بُرا مذہبِ اسلام نہیں

پستی قوم ہے کیوں باعثِ وحشت احباب
کیا کسی کی یہ سحر طفلِ شب و شام نہیں

خود مختار ہے اور ایک جائز حد تک مجتہد۔ اور مولویوں اور مشائخوں سے جب کوئی بات خلاف مذہب ہوتی ہے تو عام لوگ فوراً ٹوک دیتے ہیں۔ غرض مذہب اسلام اسقدر روشن و تاباں ہے کہ تمام اقوام ہند اسکو سچا اور مثل دریا کہتی ہیں اور بعض اپنی قومیں تو اس کی صداقت کے قائل ہو کر بطور خود مسلمان ہو گئی ہیں مگر جہل کی وجہ اپنے قدیم مذہب کی بعض باتوں کی پابند بھی ہیں اور ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو دوسرے مذہب سے خارج ہو کر مسلمان ہونے پر مجبور ہوئے ہیں ظاہر ہے کہ ایسے لوگ قدیم مسلمانوں کی طرح واقف مذہب نہیں ہو سکتے اور انہی سے شرع اسلام کے خلاف کام بھی ہوتے ہیں۔ اس کے انسداد کے لئے واعظوں کی سخت ضرورت ہے جنکب درد مند واعظ اپنی بے ریا کوششوں سے کام نہ لیں ایسوں کی اصلاح جلد ممکن نہیں۔ بعض حضرات کو تبلیغ کا کام عیسوی طریق پر نہ ہونے کا ملال ہے مگر میں اس خیال سے متفق نہیں ہوں اس لئے کہ زمانہ قدیم سے ایسا نہیں ہے اور نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تبلیغ اسلام ہر ایک مسلمان کا فرض ہے جس کو محدود نہیں کیا جا سکتا تھا چوں کہ قرونِ سابقہ میں ہر ایک مسلمان پابند و واقف مذہب رہتا تھا اور اپنے اس فرض تبلیغ کو دامے درمے قدمے سخنے کامل طور پر انجام دیتا تھا اسلئے ایسی ضرورت اس وقت محسوس نہیں ہوئی اس زمانہ میں ناواقفیت مذہب عام اور پابندی مذہب ایک آفت ہو گئی ہے اسلئے بعض جدید تعلیم یافتہ چاہتے ہیں کہ انگریزوں کی طرح عبادت سے دور رہیں اور کسی کو کچھ دے دلا کر فرض تبلیغ سے بھی نجات پائیں۔ انہی لوگوں نے یہ ظلم بھی کیا کہ ادھر واعظین و مبلغین اسلام کو ملانے وغیرہ کہکر وعظ و تقریر سے روکدیا اور ادھر خود بھی کسی مجمع اسلام میں دو حرف وعظ کہنے کے قابل نہ بنے اب علمائے سلف کے جانشینوں کو کسی کے کہنے کی کچھ پروا نہ کرکے اپنے فرائض مذہبی میں حسب سابق منہمک ہو جانا چاہیئے ہندوستان میں تو عیسائیوں کی تعداد میں اضافہ کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی متواتر قحط سالیوں سے ہر ایک قحط سالی میں غربا کے بچے تعلیم و پرورش کے نام سے گرجا میں لے لئے جاتے ہیں چنانچہ ضلع میدک و نلگنڈہ میں ہزارہا بچے اسی استادی کے نذر ہو گئے اور دوسروں کو غلام بنائے جانیکے عذر سے لینے نہیں دیا حالانکہ یہ محض غلط ہے ایسے بچوں کو صرف کسبیوں کے حوالے نہ ہونے دینا چاہیئے جو لوگ بطور متبنیٰ کسی بچے کی پرورش کرنا چاہتے ہیں یا اپنے بچوں کے برابر رکھنے کا وعدہ کرتے ہیں انہیں کسی غریب کے بچے کو اس کی خوشنودی سے لینے کی اجازت ضرور ملنی چاہیئے۔

العاقبة للمتقين

جدال و جنگ میں رستم ہوئے بھی تو پھر کیا
سخا و رحم میں حاتم ہوئے بھی تو پھر کیا

تونگری میں تمول میں اپنے اعدا سے
بہت بڑھے ہوئے یا کم ہوئے بھی تو پھر کیا

ہزار جوشِ اطاعت سے اپنی خدمت میں
ملوکِ روئے زمیں خم ہوئے بھی تو پھر کیا

ہر ایک کام میں یکتا ہوئے تو کیا حاصل
ہر ایک فن میں مسلم ہوئے بھی تو پھر کیا

خضر کی عمر بھی پائی تو ہائے کیا پایا
جم و سکندرِ اعظم ہوئے بھی تو پھر کیا

زمانہ غم و راحت کو جب قیام نہیں
فقیر یا شہِ عالم ہوئے بھی تو پھر کیا

خدائے عز و جل کے نہ ہو سکے اے **سیفی**
زمانہ بھر کے اگر ہم ہوئے بھی تو پھر کیا

ل جب حضرت خالد جنگ دجلہ میں شاہِ ایران کی ایک لاکھ جرار، پرجوش اور غرق آہن فوج کو صرف تیرہ ہزار بے سروسامان مجاہدین سے شکست فاش دے چکے اور ستر ہزار کو تلوار کے گھاٹ اتار کر شہر حیرہ کا سختی سے محاصرہ کرلیا اور محصورین پر عافیت تنگ ہوگئی تو ایک وفد بہ طلب امان لشکر اسلام میں حاضر ہوا۔ اس وفد کا افسر وہی عبد المسیح تھا جس کی عمر مورخین نے تین سو سال کی بتائی ہے اور جس کے مسلمان ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اس عبد المسیح نے صلح کے لئے حضرت خالد کی خدمت میں بہت ہی پر مغز و پر جوش تقریر کی اور ضمناً اپنے مذہب کی نہایت تعریف بھی لیکن حضرت خالد پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اثنائے گفتگو میں حضرت خالد نے اس کے ہاتھ میں کسی چیز کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ کیا ہے اس نے کہا کہ یہ زہر قاتل ہے اور اس لئے ساتھ لایا ہے کہ فیصلہ خلاف توقع ہو تو کھا کر یہیں ختم ہو جاؤں یہ سنکر حضرت خالد نے اس کی سابقہ تقریر کے جواب میں صرف مردانہ جلال اور ایمانی کمال دکھلانے کے لئے غلبۂ حال میں اس زہر کو جو کئی جانوں کی ہلاکت کے لئے کافی تھا کھا لیا۔ عبد المسیح زہر کا کچھ اثر نہ دیکھ کر دنگ ہوگیا اور واپس آکر اپنی قوم سے یہ حال بھی بیان کیا اور حسب خواہش مسلمانان صلح کی ترغیب بھی دی۔ چنانچہ نہ صرف صلح ہوئی بلکہ ہزاروں مسلمان بھی ہوگئے۔ سبحان اللہ

خطاب بہ ہند

مطبوعہ روزنامہ ہمدم اخبار توام ماہ نومبر ۱۹۱۸ء

کیا رہے ہندوستاں بانی تری — تیری دشمن ہے تن آسانی تری

کس طرح کم ہو پریشانی تری — زلف کرتی ہے نگہبانی تری

لے گیا دل چھین کر حسنِ صبیح — کیوں نہ بڑھ جائیگی حیرانی تری

یوں تو بے زیور بھی تو کچھ ہے مگر — رحم کے قابل ہے عریانی تری

کیا پسند آئے کسی کو یہ بناؤ — جب کلاہِ کج ہے جاپانی تری

کہتے ہیں ہوگی حریفِ نازکی — یہ وفا یہ پاک دامانی تری

کفر سے ہم کو رہائی مل چکی — جب ہے ایسی ہی مسلمانی تری

بس ہمارے سیفیؔ دلگیر بس
جان لیتی ہے غزل خوانی تری

ؔلہ اِس زمانے کے مسلمانوں کی آرام طلبی حد سے گذر گئی ہے کم سے کم کھانا۔ رات دن بیمار کی طرح پڑے رہنا صبح کے نو دس بجے تک سونا عورتوں کی طرح آہستہ آہستہ چلنا تہذیب اور شانِ تمول خیال کیا جارہا ہے۔ آج سے دو ایک صدی پہلے کے مسلمان ایسے نہیں تھے افسرانِ فوج اور فوجی تو خیر اِن کا پیشہ ہی سپہ گری تھا۔ لیکن عموماً ہر شخص خود کو اس قابل بنانے کی فکر میں رہتا تھا کہ دس پانچ دشمنوں کا مقابلہ کرسکے حتیٰ کہ سلاطین بھی ورزش جسمانی کے ماہر اور فنون سپہ گری سے پورے پورے واقف ہوتے تھے چنانچہ بابر گھوڑے پر سوار ہوکر روزانہ سو میل چلا جاتا تھا اور راستے میں جو دریا ملے اس کو پیر کر عبور کرتا تھا۔ شہنشاہ اکبر مست لڑتے ہوئے ہاتھیوں کو سونڈ پکڑ کر پیچھے ہٹا دیتا تھا ابن الرشید۔ المعتضد باللہ۔ جہانگیر۔ شاہجہاں اور فیروز شاہ بہمنی وغیرہ تلوار سے شیر کا شکار کیا کرتے تھے۔ عالمگیر تیر اندازی میں طاق۔ برچھا مارنے میں

سمجھو

مطبوعہ رسالہ ذخیرہ مے و جون ۱۹۱۶ء و رسالہ تمدن ۱۹۲۰ء

اپنی ہر بات کو گنجینۂ گوہر سمجھو
اپنے ہر دم کو مسیحا کے برابر سمجھو

مالداری کی تمنا ہے اگر دل آزار
کوئی اپنا سا نہ دنیا میں تونگر سمجھو

حکمرانی کی، حکومت کی اگر ہے خواہش
اپنے قبضہ سے کسی شئے کو نہ باہر سمجھو

دل میں گر حسرت و ارمانِ شہنشاہی ہے
خود کو مامون و جہانگیر و سکندر سمجھو

بادہ پیمائی کا آجائے اگر دل میں خیال
مہ و خورشید کو پیمانہ و ساغر سمجھو

فرس و فیل کو دروازہ پہ حاضر مانو
ان کی رفتار کو غیرت دہِ صرصر سمجھو

حور و غلماں کو غلاموں سے بھی کمتر دیکھو
قصرِ شاہی کو گھروندے کے برابر سمجھو

عیش و عشرت کی ہر اک چیز مہیا جانو
سارے ارمانوں کے سامان میسر سمجھو

جب کسی چیز کی فی الحال تمنا نہ رہے
فعلِ ماضی کو مضارع کے برابر سمجھو

اور سلاطین گزشتہ کی طرح جیتے جی
خود کو اک لحظہ کسی قبر کے اندر سمجھو

یہ سمجھنے ہی کی باتیں ہیں جو سیفی نے کہیں
ہو سمجھنا ہی نہ منظور تو کیونکر سمجھو

(بقیہ صفحہ ۲۲) پورے مشاق اور دوڑتے گھوڑے پر سے تیر و بندوق کے ذریعہ ہرن کا شکار کرنے میں شہرۂ آفاق تھے۔ ایک دن شاہجہاں ہاتھیوں کی لڑائی دیکھ رہے تھے کہ ایک ہاتھی نے تماشائیوں کی طرف رخ کیا سب بھاگ گئے مگر عالمگیر نے فرار کو شان شہزادگی کے خلاف سمجھا حالانکہ صرف ۱۴ سال کا سن تھا آخر ہاتھی سے مقابلہ ہوا اور اس نے گھوڑے کو سونڈ میں پکڑ کر اٹھا لیا اور پھینکنا چاہتا تھا کہ عالمگیر زین سے کود پڑے اور سونڈ پر ایک ایسی تلوار ماری کہ وہ چیختے ہوئے دوسرے ہاتھی کی طرف پلٹ گیا اور یہ بال بال بچ گئے۔ سبحان اللہ

حسبِ تحریکِ انجمنِ طلبہ قدیم دار العلوم حیدر آباد دکن۔ کالج مذکور کے
ایک عظیم الشان سالانہ جلسہ میں یہ ترکیب بند پڑھکر سنایا گیا اور
اخبارِ ہمدم فضیلت توامِ مئی ۱۹۱۹ء میں بعنوانِ ذیل شایع ہوا

اس گزارش کو محبت کا تقاضا سمجھو

کون تھے کیا ہوئے کیا نام و نشاں رکھتے ہیں
کیوں غبار اُٹھتا ہے اب پاؤں جہاں رکھتے ہیں

کیا نہیں حقِ اخوت کا تقاضا ہم پر
کیوں نہیں بولتے جب منہ میں زباں رکھتے ہیں

کیوں مخالف ہیں زمانہ کی ہوائیں ہم سے
اور دنیا کوئی ہم اور جہاں رکھتے ہیں

لے تقی الدین مصنف کتاب العقل و النقل کے سامنے کسی نے بادشاہِ وقت کے ظلم کی شکایت کی آپ سنتے ہی اس کے پاس تشریف لے گئے وہ کسی وجہ سے ناراض تھا اسلئے طنزاً کہا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی میں خود حاضر ہونے کا ارادہ رکھتا تھا۔ آپ نے فرمایا میں حضرت موسیٰ کے غلاموں کا بھی رتبہ نہیں رکھتا اور تو ظلم و کفر میں فرعون کو نہیں پہنچا لیکن موسیٰ علیہ السلام دن میں تین مرتبہ فرعون سے ملنے جایا کرتے تھے اسی کے سلسلہ میں ایسی موثر تقریر فرمائی کہ قطلوبک نہ صرف سخت نادم ہوا بلکہ اسی وقت مظلوم کی دادرسی بھی کی

آج کل کے علماؤں کا یہ عالم ہے کہ ان کی مجلسِ وعظ میں کوئی معمولی عہدہ دار بھی آجائے تو ان کے ہوش درست نہیں رہتے۔ جسم میں لرزہ پڑجاتا ہے۔ اصل مقصود کو چھوڑکر خوشامد پر اتر آتے ہیں۔ اور خوشامد بھی مبالغہ آمیز مدعائے وعظ اظہارِ لیاقت ہوتا ہے یا مریدوں میں اضافہ یا جلبِ منفعت ایسی صورتوں میں اکابرِ قوم کے متکبر نفوس کس طرح راہِ راست پر آسکتے ہیں اللہ جل شانہ قوتِ ایمان مرحمت فرمائے۔ سیفی

وہ کیا دیکھینگے قومی بہتری کو؟
جنھیں لالچ نے اندھا کردیا ہے

ہم سے بھی ہوتے ہیں کیا قابلِ تحسین اشیا
ہم بھی کیا سینہ میں دل و لمیں وال رکھتے ہیں

دردِ افلاس میں جینے کی تمنا کب تک
خواہشِ چشمۂ آبِ حیواں رکھتے ہیں

بزمِ احباب میں جانے کی لیاقت ہے کہاں
نہ زباں رکھتے ہیں منہ میں نہ بیاں رکھتے ہیں

مدح و توصیف ہے زندوں کے عوض مردوں کی
قالبِ مردہ میں ہم جانِ بیاں رکھتے ہیں

جان پر تنگی ہے بے سر و سامانی سے
ننگ آتا ہے بس اب جامۂ عریانی سے

لہ جنگ یرموک کا واقعہ ہے کہ حارث بن ہشام کے پاس نزع کے وقت پانی لایا گیا۔ قریب ہی عکرمہ دم توڑ رہے تھے۔ پانی کی خواہش ظاہر کی حارث نے خود نہ پیا اور عکرمہ کی طرف بھیج دیا وہیں عباس بن ابی ربیعہ عالم سکرات میں ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ پانی کی طرف دیکھا۔ عکرمہ نے پانی کو منہ تک نہیں لگایا عباس رض کے لئے بھیجدیا مگر وہ پانی پہنچنے تک فوت ہو چکے تھے اور ادھر پانی کی واپسی تک حارث و عکرمہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ ہائے کیا ہمدردی تھی اور کیا تعلیم اسلام تھی اور کس قدر ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ پر ایمان تھا۔ بھائیو اسلام کی اشاعت ان حسن اخلاق کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اگر بزور شمشیر ہی مان لی جائے تو دوسرے مذہب والوں کو یہ ماننا پڑے گا کہ ان کے مذہب کس قدر بودے تھے مخفی نہ رہے کہ اندلس کے قدیم مسلمان اکثر جلاوطن ہوئے ہیں یا قتل مگر بجز ۲ مسلمون کے کوئی مرتد نہیں ہوا ہے۔ یہ ایک مذہب اسلام ہی کی شان صداقت ہے کہ اس کے دلدادہ کسی اور مذہب کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ مفلسوں کی دستگیری کا کوئی انتظام نہیں ہے۔

سلہ مسلمانوں کی مفلسی کا خیال آتے ہی دل بے اختیار یہی چاہتا ہے کہ کسی جنگل یا ویرانہ میں چلے جائیں اور ڈاڑھیں مار مار کے خوب روئیں۔ ہائے ان کی مفلسی کس حد کو پہنچ گئی۔ فی صد ایک دو آدمی شاید مرفہ الحال ہوں ورنہ اکثر صرف بہ تقاضائے تمدن قدیم سرخ و سفید نظر آتے ہیں۔ جاگیر منصب معاش کے لئے جو کچھ ہونا تھا وہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اب جو کچھ باقی ہے وہ بھی جہل کی وجہ باہمی مناقشوں کے نذر ہو رہا ہے ایک ایک شخص کی زیر پرورش کئی کئی آدمی ہیں تنگدستیوں کی وجہ ایک ہی خاندان کے افراد میں باہم محبت نہیں رہی۔ باپ بیٹے سے بیٹا باپ سے بھائی بھائی سے بیزار نظر آتا ہے۔ شادی بیاہ کی سابقہ دلچسپیاں خواب و خیال ہو گئیں۔ مہمان کا ایک سے دوسرے روز رہنا آفت ہے۔ کاش ان کے ذرائع معاش منتقل ہوتے ہند سے ان کی حکومت کیا گئی کہ ایک دم مفلسی کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ وہ شریف خاندان جن کے بزرگ ایک اشارہ پر ہزارہا نفوس کو میدان عمل میں لا سکتے تھے۔ افسوس کہ دیکھتے دیکھتے تباہ و برباد ہو گئے ایسی ہی مفلسی کا دور دورہ رہا تو کچھ زمانہ بعد ایک شریف بھی ایسا نہ ملیگا جس کے سلسلہ نسب پر اعتماد کیا جا سکے۔ مفلسی نے نسلی و نسبی امتیاز مٹا دیئے ہیں۔

تحفظ نسب اور سادات کی بحث کو غلط ملط نہ کرنا چاہیے۔ بعض لوگوں کو بحث کی غلط فہمی نے سادات کے احترام کی سعادت سے محروم کر دیا ہے نسب پر فخر کرنا نادرست ہے لیکن خصوصیات خاندانی کا لحاظ برا نہیں۔ سادات کا احترام کو ضروری سمجھنا اور حفاظت نسب کو نظر انداز کرنا اجتماع ضدین ہے

بے ریا جوشِ اخوت[1] جو میسر ہوتا — کیوں درخشاں نہ زمانہ میں مقدر ہوتا
دوڑتی رہتیں محبت کی جو نہریں ہر سو — باروَرِ گلشنِ احباب مقرر ہوتا
خلعتِ سندس و کمخواب سے بہتر تھا اگر — جامۂ کہنۂ اخلاص میسر ہوتا
کیوں یہ اخلاصِ زبانی کی نمائش رہتی — بادۂ صدق سے لبریز جو ساغر ہوتا
کچھ نہیں ہم میں اگر یکجہتی بھی رہتی! — اپنی تقدیر کا ہر شخص سکندر ہوتا

---

[1] سلطان منصور اموی کسی جنگ سے واپس آرہا تھا کہ راستے میں ایک ضعیف عورت نے گھوڑے کی باگ تھام کر کہا کہ تمہاری امارت کے زمانہ میں میرا بیٹا فلاں عیسائی سلطنت میں مقید ہے اگر یہی بے خبری ہے تو خدا کو کیا جواب دوگے۔ یہ سنتے ہی منصور اسی وقت علاقہ مذکور کی طرف پلٹ گیا اور ضعیفہ کے بیٹے کو رہا کرکے واپس آیا۔

[2] شاہ عزسیہ نے ایک گرجے کی تعمیر کا افتتاحی جلسہ بڑی دھوم دھام سے کیا تھا جس میں اسی سلطان منصور کا رزیڈنٹ بھی شریک تھا۔ جلسہ کی گڑبڑ میں ایک مسلمان عورت نے اس رزیڈنٹ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا منصور تو اپنے محلوں میں عیش منا رہے ہیں اور میں قید فرنگ میں پڑی سڑ رہی ہوں انھیں امیر المسلمین ہونیکا دعویٰ ہے تو کہو کہ میری خبر لیں ورنہ روز حشر مجھ سے دامن چھڑانا مشکل ہوگا۔ منصور کو جب یہ پیام پہنچا تو بے اختیار رو پڑا اور اسی وقت خلاف معاہدہ مسلمان عورت کو مقید رکھنے کی پاداش میں فوج کشی کی یہ خبر ملی تو شاہ عزسیہ کے ہوش اُڑ گئے۔ قیدی عورت کو فوراً واپس کرکے باادب تمام معافی چاہی اور بریت کے ثبوت میں نئے عظیم الشان گرجے کو بھی گرا دیا حالانکہ انہدام کے لئے منصور نے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا لیکن خوف اور گھبراہٹ کا کیا علاج۔

[3] محاصرۂ جندی سابور کے زمانہ میں ایک دن اہل شہر شہر پناہ کے دروازے کھولکر اس طرح اپنے کاروبار میں مصروف ہوگئے کہ گویا محاصرہ ہے ہی نہیں۔ مسلمان اس سے سخت متعجب ہوئے دریافت سے معلوم ہوا کہ کسی غلام نے پوشیدہ طور پر انہیں امان نامہ لکھدیا ہے افسر فوج ابو موسیٰ نے کہا ایک غلام کی خود رائی حجت نہیں ہوسکتی۔ یہ امان نامہ مستند نہیں۔ محصورین نے کہا ہم آزاد اور غلام کو نہیں جانتے۔ ایک مسلمان نے امان دیدی ہے تو ماننا پڑے گا۔ آخر اس تکرار کی اطلاع دربارِ خلافت کو دی گئی۔ حضرت عمرؓ نے تصفیہ فرمایا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہی ہے اس لئے اس کا امان دینا گویا سب مسلمانوں کا امان دینا ہے۔ محاصرہ اُٹھا لینا چاہیئے اس حکم کی تعمیل ہوئی اور محصورین سے اکثر اخوت اسلامی کے شیدا ہوگئے۔ سبحان اللہ کیا مقدس آقا تھے اور کیا معزز غلام إنما المؤمنون اخوة پر کس قدر ایمان تھا اور کیا اسلامی رواداری تھی۔ بھائیو! ان مبارک زمانوں میں کسی کی مجال بھی ہوگی کہ وہ مسلمانوں کے غلام ہی کو گھور کر دیکھ سکے ؟ ہر ایک مسلمان کی رفتار سے گفتار سے فاتحانہ شان ٹپکتی ہوگی اور وہ بے دھڑک ہزار ہا اغیار میں چلا آتا ہوگا۔ آج ہم کروڑوں مسلمان ایک حکم خدا پر نہ چلنے کی وجہ کس بے کسی و بے بسی کے عالم میں ہیں افسوس افسوس

کیوں درِ غیر پہ ہم ناصیہ سائی کرتے	رہنما اپنا اگر قولِ پیمبر ہوتا
مسجدیں[1] پھوس کی ہوتیں بھی تو ہوتیں لیکن	کوئی ہمدرد مقررِ سرِ منبر ہوتا
ایسی حالت کو پہنچکے بھی نہ چونکے افسوس	موم ہو جاتا اگر سینہ میں پتھر ہوتا

قوم کے دردِ تنزل کا مداوا ڈھونڈو
قرنِ اول کے تمدّن کا نمونا ڈھونڈو

[1] سلطان منصور اموی ایک نہایت ہی عادل باذل شجاع اور متقل مزاج بادشاہ ہوا ہے اس کے برابر کسی نے جہاد نہیں کئے۔ شدائد میں تحمل کا یہ عالم تھا کہ ایک وقت اس کے پاؤں میں کوئی ایسا درد پیدا ہو گیا کہ تمام اطبار کی رائے میں داغ دینا ہی ناگزیر خیال کیا گیا اس لئے یہ بھی اس پر راضی اور پاؤں جرّاح کے سپرد کر کے خود کاروبار سلطنت میں ہمیشہ کی طرح منہمک ہو گیا۔ چونکہ کسی قسم کی بے چینی چہرہ سے پائی نہیں جاتی تھی اس لئے کسی کو یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن جب پوست کے جلنے سے بدبو پھیل گئی تو حاضرین کو اس صبر پر ایک حیرت ہوئی۔ مذہبی عقائد کی پختگی اسدرجہ تھی کہ اس حدیث شریف کی بنا پر کہ (لا یجمع علی عبد غبار فی سبیل اللہ ودخان جہنم) جہادی لڑائیوں میں جو گرد وغبار چہرہ پر جم جاتا تھا اس کو رومال سے صاف کر کے جمع کر لیتا تھا جس سے ایک تھیلی بھر گئی تھی۔ جو وصیت کے موافق اس کی قبر میں رکھدی گئی

[2] جامع دمشق کا طول ساڑھے پانسو قدم اور عرض ڈیڑھ سو قدم ہے۔ ستون سنگ سماق وسنگ رخام اور ایسے ہی نایاب پتھروں کے ہیں۔ روزانہ چھ سو اور رمضان میں بارہ ہزار قندیلیں اس میں روشن کی جاتی تھیں پون سو موذن مامور تھے مصر کی جامع ابن طولون بھی ایک نہایت ہی پُر شوکت وعظیم الشان عمارت ہے اور اپنی عظمت و رونق کے لحاظ سے نہ صرف اہرام مصر سے بڑھی ہوئی ہے بلکہ عجائبات روزگار میں شمار کی جاتی ہے اس کی تعمیر میں بارہ لاکھ اشرفیاں صرف ہوئی ہیں غرض تمام جہان اسلام میں تقریباً انہیں اوصاف کی مسجدیں ہر ایک شہر میں موجود ہیں لیکن جن زمانوں میں یہ مسجدیں بنی ہیں ان زمانوں میں ایسی مسجدوں کے بنانے والے جس قدر موجود تھے افسوس کہ اس زمانے میں اتنے نماز ادا کرنے والے نہیں ہیں۔ ایک وہ تھے کہ پھوس کی مسجدوں میں نماز پڑھ کر ایسی مسجدوں کے بنانے کی امنگ اور ہمت رکھتے تھے۔ ایک ہم ہیں کہ ایسی مسجدوں میں نماز پڑھ کر ان کے شہید ہو جانے پر پھوس کی مسجدیں بھی بنا لینے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ تا بہ ترمیم چہ رسد افسوس افسوس

(سیفی)

دل آپ کے خالی نہ رہیں یاد خدا سے ۔ شیطاں رہا کرتے ہیں ویراں گھروں میں

طلبِ جاہ میں پابندِ ریا[1] کوئی نہ تھا	سمتِ قبلہ میں تھے سب قبلہ نما کوئی نہ تھا
شرعِ غرّا کے مخالف کوئی آوازہ[2] نہ تھی	سارے بندے ہی تھے ہم شانِ خدا کوئی نہ تھا
رہتے تھے عالمِ اسباب میں جویائے سبب	غیر کی سعی[3] پہ مصروفِ دعا کوئی نہ تھا
تھی گدائی نہ مسلماں کے لئے وجہِ معاش	تھے سبھی شاہ یہاں ہم میں گدا کوئی نہ تھا
بے رخی مذہب و ملت سے کہیں اپنی تھی	تھے سبھی فرض ادا فرض قضا کوئی نہ تھا
باعثِ نخوت و پندار نہ تھا علم و ہنر	قوم کے جمعہ جماعت سے جدا کوئی نہ تھا

[1] حضرت ابی بن کعب بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور اپنے زہد و اتقا کی وجہ مرجع خلائق۔ ایک دفعہ جب وہ کسی راستے سے گزر رہے تھے۔ صدہا آدمی ساتھ تھے مگر سب کے سب ادباً و تعظیماً کچھ پیچھے چل رہے تھے اور یہ کسی قدر آگے۔ ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مل گئے اور یہ رنگ دیکھا تو بہت آزردہ ہوئے انہیں کوڑے سے متوجہ کر کے بہت ملامت کی اور فرمایا کہ اوما تری فتنۃً للمتبوع و مذلۃً للتابع یعنی کیا تم نہیں جانتے کہ یہ طریقہ متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔ حضرت ابی پشیمان ہوئے۔ معافی چاہی اور پھر کبھی ایسا نہ ہونے دیا۔ آج کل یہ رنگ ہے کہ وہ مشائخ ہی کیا جس کو دس پانچ آدمی بت بنائے ہوئے نہ لے چلیں۔ تعظیم بھی ایسی کہ جب تک مرید اچھی طرح پاؤں چوم نہ لے مرشد کا دست مبارک مرید کے سر سے اٹھتا ہی نہیں۔ مرشد گاؤ تکیہ سے لگے بیٹھے ہیں اور مرید دست بستہ شاگرد پیشوں کی طرح اطراف سر خم کئے کھڑے ہوئے ہیں یا دو زانو بیٹھے ہوئے اور اس ادب سے کہ شاید نماز میں کبھی ایسا ادب ملحوظ رہتا ہو وہ اسلام جس نے مساوات و آزادی کو اپنا طرہ امتیاز قرار دیا ہے افسوس اس کے پیرؤں کا کیا حال ہوگیا۔

[2] حضرت شبلی اپنے مریدوں سے ویسی ہی سخت نفس کشیاں کراتے تھے جیسی کہ خود اپنے مرشد کے حکم سے کرتے رہے تھے اس پر کسی نے کہا کہ کیا آپ مخلوق خدا کو ہدایت کے عوض ہلاک کرنا چاہتے ہیں فرمایا کہ ہمیرا میرے پاس جو شخص آتا ہے اسکی غرض خدا شناسی ہوتی ہے اور یہ مرحلہ زہد و اتقائے خاص کے بغیر طے نہیں ہوسکتا۔ اگر میری خدمت گذاری مقصود ہے تو یہ بت پرستی ہے جس کو میں ایک لحظہ کے لئے بھی پسند نہیں کرتا

[3] امام اعظم رح علم و فضل بے نظیر کے ساتھ بہت بڑے مالدار بھی تھے۔ لاکھوں کی تجارت تھی گماشتوں کے ذریعہ تمام کاروبار ہوتے تھے۔ اور اس امانت و راست بازی کے ساتھ کہ ناجائز ایک پائی بھی خزانہ میں جمع نہ ہوسکتی تھی۔ ایک دفعہ کسی گماشتے کو ریشمی چادریں فروخت کے لئے دی گئیں اور عیوب کو اچھی طرح بتلا کر فروخت کرنے کی تاکید کی گئی۔ مگر بیچتے وقت گماشتے کو اس کا خیال نہ رہا۔ حضرت کو اس فروگذاشت کا علم ہوا تو آپ نے ان تمام چادروں کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی محتاجوں کو دیدی۔ سبحان اللہ

علمِ بے بحث پہ اتراتے نہ تھے گھر بیٹھے
سیدُ القوم ہوا کرتا تھا اِک خادمِ قوم
وہی کہتے تھے جسے کرکے دکھا سکتے تھے
خاکسار و نہیں زمانہ کے ہمیں تھے ممتاز

شہرتِ نامِ اجنبؔ سے خفا کوئی نہ تھا
قوم تھی سب سے بزرگ اُس سے بڑا کوئی نہ تھا
مستقل طبع تھے سب اہلِ دغا کوئی نہ تھا
اور پھر ہم سے زمانہ میں بڑا کوئی نہ تھا

اب اگر راہِ ترقی کی ہوس ہے ہم کو
روشِ قافلہ رفتہ ہی بس ہے ہم کو

لہ خلفائے راشدین کی تو شان ہی اور ہے ان کے عدل و انصاف و زہد و ورع کو کون پہنچ سکتا ہے مگر تمام فرمان روایانِ اسلام اُن کے تتبع کا فکر کرتے رہے ہیں بعض اس فکر میں کچھ کامیاب ہو گئے اور بعض رہ گئے۔ گو کامیاب سلاطین کی تعداد شاہانِ شوکت وراحت پسند سے کم ہے مگر جسقدر رہی ہے اتنی تو کیا ان سے ایک کی بھی نظیر کسی قوم کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ان کی اہلیہ نے شکایت کی کہ آپ کی ایسی سلطنت جس کے تمول کا مقابلہ دنیا بھر کی کوئی سلطنت نہیں کر سکتی ہمارے کس کام کی آج عید ہے اور غریب سے غریب کے بچے بھی کچھ نہ کچھ نئے کپڑے پہن چکے ہیں مگر ہمارے نور چشم وہی پھٹے پُرانے لباس میں ہیں جس کو دیکھکر سخت قلق ہوتا ہے اس تقریر کا بہت اثر ہوا اور آپ نے خزانچی کو لکھا کہ ہمارے حق خلافت سے یومیہ جو دو درہم مقرر ہیں ان سے ایک ماہ کی رقم پیشگی بھیجدو خازنِ بیت المال نے لکھا کہ امیر المومنین کو اس کا علم کس طرح ہوا کہ اور ایک مہینہ تک زندگی رہیگی جس کا حق آج واجب الادا ہو سکے اس جواب کو آپ نے اپنی اہلیہ کو دیدیا اور خود خاموش ہو گئے۔ آپ خلفائے بنی امیہ سے آٹھویں خلیفہ تھے تقریباً ڈھائی سال سلطنت کی ماہ رجب سنہ ۱۰۱ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کا عہد عدل و داد و ترقی طب و اشاعت تصانیف کے لئے مشہور رہے۔ من عمل صالحاً فلنفسہ ومن اساء فعلیہا

لہ اس آخری گئے گزرے زمانہ میں حضرت عالمگیر بھی باوجود اس حشمت وجاہ کے جو ان کے معاصرین سے کسی کو نصیب نہیں تھی زہد و اتقا میں عدیم المثال تھے۔ مستند مورخین کہتے ہیں کہ آپ خزانہ عامرہ سے اپنے مصارف اکل و شرب کے لئے ایک پیسہ بھی نہ لیتے تھے کلام مجید کی کتابت کے ہدیہ سے جو کچھ مل جاتا تھا اسی پر خورد و نوش کا دار و مدار تھا۔ نماز پنجگانہ اور رمضان کے روزے تا دم زیست قضا نہیں ہوئے۔ تخت نشینی کے بعد کلام مجید کو بھی حفظ کر لیا تھا۔ انہی اوصاف کی وجہ عامۃ المسلمین انہیں ولی خیال کرتے ہیں۔ ان کے مبارک زمانہ میں مسلمانوں کی اعتقادی قوت بہت کچھ سنبھل گئی تھی۔ اقوام ہنود کے نام اس وقت جسقدر جاگیریں ہیں۔ وہ اکثر اسی غیر متعصب بادشاہ کی دی ہوئی ہیں

لہ ناصر الدین محمود بن التمش جو ۶۴۴ھ میں شہنشاہ ہندوستان تھا بہت ہی مرتاض و متقی تھا اس کی بیوی اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی تھی۔ اور یہ بھی کتابت قرآن شریف سے نفقہ حاصل کرتا تھا

اپنے اسلاف کی ہر بات کو اچھا سمجھو — اچھا سب کہتے ہیں تم بھی تو خدارا سمجھو

کوئی آواز اگر اس کے مخالف آئے — اِدّعا سمجھو اسے تہمتِ بے جا سمجھو

ہم میں اسلام کی اس وقت ہے جو کچھ بھی جھلک — اس کو اسلاف کی کوشش کا نتیجہ سمجھو

واقعی دردِ تنزل سے اگر ہو بے تاب — اس جھلک ہی کو تم اعجازِ مسیحا سمجھو

اِس جھلک کا ثمرہ انجمنِ انجم ہے — اِس کے مقصد کو غمِ دِل کا مداوا سمجھو

لے؛ اڈگرسند ڈیس صاحب اپنی تاریخ دنیا میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے علوم و فنون میں بہت جلد اسی قدر ترقی کر لی تھی جتنی کہ ان کی فوجی قوت میں اضافہ ہو گیا تھا اور نہ صرف ترقی کی تھی بلکہ کمال سرگرمی سے اپنے ممالکِ مفتوحہ میں اُن کو شائع بھی کر دیا تھا۔ بڑے بڑے شہروں میں مدارس کالج رصد گاہیں۔ دار الکتب شفاخانہ قائم کئے تھے اور ان کے لئے بے نظیر عمارتیں بنائی تھیں۔ جس زمانہ میں یورپ کی تاریخ محض تاریک تھی اس وقت مسلمانوں کی کئی مہذب اور وسیع ترین سلطنتیں تھیں بارھویں صدی عیسوی کے آغاز میں اقلیدس۔ فلسفہ۔ علم ہندسہ۔ ہیئت اور علوم طبعی عربوں کے ذریعہ یورپ میں پہنچے اُندلس کے مسلمانوں نے دسویں صدی ہی میں علم ادب۔ منطق۔ نجوم۔ حساب ریاضی اور علوم صنعت و حرفت کو درجہ کمال تک پہنچا دیا تھا اور یونیورسٹیاں قائم کر لی تھیں علم حیوانات نباتات۔ کیمیا اور خاص کر علم طب کا انہیں بہت شوق تھا۔ ہم سب یورپ والے اسپین کے مسلمانوں کے مرہونِ منت ہیں کہ ان کی وجہ سے ان تمام علوم کے ساتھ ساتھ ہمیں علم حساب اور اعداد کا لکھنا بھی آیا تمام علمائے یورپ جس وقت زمین کو پھیلی ہوئی جانتے تھے اُس وقت مسلمان اپنے مدرسوں میں کرۂ زمین کی وساطت سے جغرافیہ کو علی العموم پڑھایا کرتے تھے یعنی اُنہوں نے سب سے اول یہ معلوم کر لیا تھا کہ زمین گول ہے۔ اسپین پر جب عیسائی قابض ہوئے تو محض اپنے جہل کی وجہ عربوں کی بنائی ہوئی رصد گاہوں کو گھنٹہ گھر سمجھ لیا اور ایک عرصہ تک اُن سے یہی کام لیتے رہے۔ دیگر علمائے یورپ کا بیان ہے کہ آج دنیا بھر میں کوئی ایسی قوم نہیں ہے جس نے مسلمانوں کی طرح ہر ایک اہل علم کے احوالِ زندگی قلمبند کئے ہوں مسلمانوں کی کتب رجال سے پانچ لاکھ مستند علماء کا پتہ ملتا ہے۔ برادرانِ ملت! ان واقعات کے اظہار سے مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان جو یورپ کے مسیحی و سیاسی اثر سے متاثر ہو کر اپنے اسلاف کو صرف مذہبی دیوانے سمجھ رہے ہیں یہ معلوم کریں کہ وہ کیسے تھے اور کس قدر تھے اور ایجادات و اختراعات میں اُن بزرگوں کا کیا مرتبہ تھا روحانی ترقی کے دوش بدوش اقتصادی و مادی ترقی کسقدر کی تھی ہے یہ کہ مذہب اسلام ایک آزاد اور فطری مذہب ہے اس کی ایک قابل لحاظ خوبی یہ بھی ہے کہ وہ کاروبار دنیوی میں اچھا رہنما اور بہتر مشیر ہے اس کی پابندی کسی معاملہ کی ترقی میں حارج نہیں۔ اگر کاہل طبیعتیں اس کی عمدگیاں معلوم کرنے میں قاصر ہیں تو اس سے اس کے احکام کی پختگی میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ مثلاً سچ بولنے کے فوائد مسلمہ ہیں مگر پست ہمت و کم عقل دروغ ہی کو ذریعہ فروغ سمجھتے ہیں تو کیا اس سے صداقت کی فضیلت کم ہو جائیگی ہرگز نہیں لو گو پہلے پابند مذہب تو ہو جاؤ۔ پھر دیکھو کہ وہ آپ کا ممد و معاون ہے کہ نہیں۔ بغیر تجربہ اسلام کو حارج ترقی خیال کر لینا قابل تسلیم نہیں ہو سکتا دوست دشمن کے مشورہ میں تمیز کرنا شیوۂ عقلمندی ہے

اس کے ارکان کو کیا نفع ہے زحمت کے سوا	قیمت و قدرِ تکالیفِ احبا سمجھو
بھائیو! چھوڑ دو! ریاکاری و خود بینی کو	نخوت و کبر کو اد بار کا رستا سمجھو
سیفی! چھیڑ دیا اور نصیحت ، توبہ!	اس گزارش کو محبت کا تقاضا سمجھو
حاصلِ نظم سمجھ جاؤ جو کچھ بھی لیکن	بگڑی تقدیر سنور جائے کچھ ایسا سمجھو

بارور یہ شجرِ خشک الٰہی ہو جائے
پھر بہار آئے خزاں باغ سے راہی ہو جائے

لے کسی امیرزادہ نے سلطان محمد شاہ تغلق پر بے وجہ مارپیٹ کرنے کا دعوی کیا قاضی نے حکم دیا کہ مدعی کو راضی کرلیں یا سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ شیخ ابن بطوطہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے اس حکم کی تعمیل میں مدعی کو بلوایا اور چھڑی کے ساتھ اپنے سر کی قسم دیکر بمنت کہا کہ جس طرح میں نے تمہیں مارا ہے اسی طرح تم بھی مجھے مارو چنانچہ لڑکے نے بھرے دربار میں اکیس چھڑیاں گن گن کر لگائیں اور اس طرح کہ ایک دفعہ بادشاہ کے سر سے تاج بھی گر پڑا

سلاطین اسلام سے یہ اُس بادشاہ کے انصاف کی ایک ادنیٰ مثال ہے جو اپنے احکام کی تعمیل کرانے میں سخت گیر ہونے کی وجہ نا تواں بیں مورخین کے پاس جابر بھی مشہور ہے حالانکہ بے جا خود داری اور تکبر کے اظہار کا اس سے زیادہ اور کون سا موقع ہو سکتا تھا۔ مگر نہیں اُس وقت کے بُرے مسلمانوں کو بھی احکام خدا اور رسول جان سے زیادہ اچھے معلوم ہوتے تھے۔ اِس زمانہ میں زیر دست کو گالیاں دیکر زبردست کا سرسری طور پر معافی چاہنا بھی اس کے ایک بہت بڑے انصاف پرور ہونے کی علامت ہے۔ رفتار واقعات ایسی ہو تو کیوں نہ دریائے ادبار متلاطم رہے اور کیوں نہ روز بروز افراد قوم کے دماغوں میں خادمانہ خیال گھر کرتے جائیں۔ ان متکبر اور فرعون مزاج لوگوں کو جو بر سرِ اقبال بھی ہیں کم از کم اپنی اولاد کی خاطر اصولِ اسلام کی جان یعنے مساوات کے برتنے میں کوتاہی نہ کرنی چاہیئے۔ دنیا میں کون ایسا ہے جو اپنی اولاد کا خوش حال رہنا پسند نہ کرتا ہو اور ان کے لئے بڑی بڑی جائدادیں چھوڑ کر مرنے کا متمنی نہ ہو مگر عقلمند مال و دولت کے ساتھ ساتھ بہترین اخلاق کے اعلیٰ نمونے بھی چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کے عزیز کمینہ مزاج نہ ہوں اور ان کی کم علم و کم عقل اولاد کی کم از کم ان کے خیال سے وہ نوبت نہ ہونے پائے جس کو کوئی حیادار ایک لحظہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا

سیفی

آج ہے محفلِ شادی تو صفِ ماتم کل　　ایک انداز پہ رہتا ہے زمانہ کس پر

خیالاتِ سیفی

مطبوعہ اخبارِ زمیندار روزانہ جولائی ۱۹۲۱ء

اب اِن کی وہ پہلی سی عنایت تو نہیں ہے
دنیائے قساوت میں عدالت تو نہیں ہے

کیوں ظلم کیا جائیگا اِنصاف نہ ہو گا
ہاں بغض نہیں ہے تو نہ ہوگا انہیں لیکن

اِس درد کے اُٹھ اُٹھ کے ستانے کو کہوں کیا
چلاؤ یونہی کوئی تو فریاد سُنے گا

مرجائیں یونہی گھٹ کے کراہیں نہ کسی وقت
اللہ کو جو کچھ ہمیں دینا تھا دیا ہے

اے حبِ جہاں ہم کو تو اتنا نہ ستا بس
شیرازۂ قومی کی ضرورت کو تو سمجھو

دیکھو تو تبہ کرنے میں انجامِ وفا کے
اِس ہمت مردانۂ احباب کے صدقے

توصیفِ عدو کرکے خالی نہیں ہوتی

وحشت نہ سہی - ہم سے محبت تو نہیں ہے
کیوں دنگ ہو یا یہ موقعِ حیرت تو نہیں ہے

انگریزوں کی چنگیزی حکومت تو نہیں ہے
اِنصاف یہ کہتا ہے کہ اُلفت تو نہیں ہے

دُہرانے میں دُکھڑے کے مسرت تو نہیں ہے
اِنصاف کو کچھ ہم سے عداوت تو نہیں ہے

ایسا کہیں دستورِ محبت تو نہیں ہے
تقدیر سے اب جائے شکایت تو نہیں ہے

ایمان کے آگے تیری وقعت تو نہیں ہے
کیوں کہتے ہو پہلی سی خلافت تو نہیں ہے

ناقابلِ برداشت مصیبت تو نہیں ہے
کہتے ہیں مگر کرنیکی طاقت تو نہیں ہے

تحقیرِ احبّہ میں عداوت تو نہیں ہے

بد عہدئ احباب سے کیوں رنج نہ پہنچے
دنیا ہے یہ سیفیؔ کوئی جنت تو نہیں ہے

اپنے ہر کام کو کیوں کل پہ اُٹھا رکھا ہے

(مطبوعہ اخبار ہمدم ۳۰ جولائی ۱۹۱۹ء)

قوم کا نام نہ لو قوم میں کیا رکھا ہے
اپنے ہر کام کو بس کل پہ اُٹھا رکھا ہے

دل تو دل عزت و حرمت بھی گئی اُلفت میں
کون سا ظلم ستمگر نے اُٹھا رکھا ہے

رشتۂ بر پا نظر آتا ہے ہر اک طائرِ سعی
حسرتوں نے مری کیا جال بچھا رکھا ہے

آگ لگ جائے گلستاں کو بھی تو اُف نہ کرے
بلبلِ زار کو اس طرح سدھا رکھا ہے

کیا تمنائیں بدل جائیں گی ہمت سے کبھی
دلِ مایوس نے کیوں شور مچا رکھا ہے

آسرا آہ کا یوں اے دلِ ناداں کب تک
اپنی ہمت کو کدھر تو نے اُٹھا رکھا ہے

اِسی ویرانہ میں مدفون ہے دولت ساری
یہ نہ سمجھو کہ دلِ زار میں کیا رکھا ہے

تجھ سے کیا خاک اُبھرنے کی توقع اے قوم
اپنے ہر کام کو جب کل پہ اُٹھا رکھا ہے

نیند آتی ہنیں جب تک نہ ہو اخبار قریب
خانہ بربادی کو افسانہ بنا رکھا ہے

جستجو میں تری حیران ہے خلقت ساری
آستانہ کو مگر طور بنا رکھا ہے

غیر کس طرح سے دیکھیگا تمہاری تصویر
ہم نے جب اسکو کلیجے سے لگا رکھا ہے

رہے مجذوب کے مجذوب یہ مجنوں کی طرح
حسنِ لیلیٰ کو تو سیفی نے چھپا رکھا ہے

یہی دیکھتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں

مطبوعہ اخبار ہمدم ۲ - مئی ۱۹۱۹ء

وفاؤں کا بدلا جفا دیکھتے ہیں	یہی دیکھتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں
جو عالم کہ ہے آج وہ کل نہیں ہے	زمانہ کا نقشہ نیا دیکھتے ہیں

ـلہ قلعہ عکہ کا محاصرہ اس طرح کیا گیا تھا کہ بہت ہی گہری خندقیں کھود کر تمام عیسائی فوجیں ان میں چھپ گئی تھیں اور کسی بیرونی حملہ کا امکان باقی نہ رکھا تھا۔ بریں ہم سلطان صلاح الدین کی پرجوش ہمتوں نے اپنی قلیل فوج سے خندقوں ہی میں پہنچ کر کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور باہر نکلنے پر بار بار مجبور کیا مگر عیسائیوں نے خندقوں ہی میں کچھ ایسی بہتری دیکھی تھی کہ باوجود کئی لاکھ فوج کے مرد میداں بنے کا نام ہی نہیں لیا اور گڑھوں میں پڑے پڑے محاصرہ بحال رکھنے کی ٹھان لی۔ اس بزدلانہ محاصرہ کے طول نے محصورین پر عرصۂ زیست تنگ کر دیا آخر قلعہ دار نے بھوک پیاس کے مصائب سے جاں بلب ہو کر تمام مسلمانان قلعہ کے جان و مال کی حفاظت صلیب اعظم کی واپسی چودہ ہزار دینار کی ادائی اور پانسو عیسائی قیدیوں کی رہائی کے وعدہ پر قلعہ حوالہ کر دیا لیکن عیسائیوں نے حسبِ شدآمد قدیم اپنے وعدوں کا کچھ بھی لحاظ نہ کر کے صلیب اعظم کے ملنے پر چھوڑ دینے کے بہانہ سے تمام مسلمانوں کو قید کر لیا سلطان صلاح الدین ان کی وعدہ خلافیوں سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے بغیر ضمانت اشیائے مشروطہ کے دینے میں تامل کیا اور یہ شرط لگائی کہ اگر فرقہ داؤدیہ جو ایفائے عہد کے لئے مشہور رہے تکمیل شرائط پر مسلمانوں کے رہا کر دینے کا ضامن ہو جائے تو اشیائے مشروطہ بھی بھیجدی جاتی ہیں۔ مگر فرقہ داؤدیہ نے باوجود دوسرے تمام عیسائی فرقوں کے سمجھانے کے ہم مذہبی کا لحاظ نہ کر کے صاف صاف کہدیا کہ ہمیں اہل یورپ کے قول و فعل پر مطلق اعتبار نہیں اس لئے ہم ضامن نہیں ہو سکتے۔ ابھی اس بحث کا تصفیہ نہیں ہوا تھا کہ دھوکے سے رچرڈ نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ حملہ کر دیا۔ ہرچند سلطان لڑائی کے لئے تیار نہ تھے مگر اطلاع ملتے ہی جس قدر فوج آمادۂ جنگ مل سکی اسی کے ساتھ اس مجاہدانہ جوش سے حملہ آور ہوئے کہ وہ رچرڈ جس کو شیر دل کہا جاتا ہے ہزارہا عیسائیوں کی قیمتی جانیں گنوا کر قلعہ کی طرف بھاگ گیا اور اس ذلت و خواری کا بدلہ قلعہ کے ان بے بس و بے کس و مقید مسلمانوں کے قتل و خون سے لیا جن کی جان و مال کے تحفظ کے عہد و پیمان ہو چکے تھے۔ اور جن کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی برادران غافل یہ ہے مذہب عیسوی کی تعلیم اور وعدوں کی پابندی۔

(۲) یا ایہا الذین امنوا لا تتخذوا الکفرین اولیاء من دون المومنین ع (من جریدۂ المجریہ جلتہ ۲۸ اللہ امۃ)

سزاؤں کا باعث تو کوئی نہیں ہے
مگر یہ کہ جرمِ وفا دیکھتے ہیں

محبت کو پاتے ہیں باغِ عداوت
صداقت کو اک افترا دیکھتے ہیں

رُخِ روشنِ عدل و انصاف پر اب
نقابِ خفی یا مخفی دیکھتے ہیں

یہ سمجھے تھے دیکھیں گے اب عیش و راحت
مگر ہائے افسوس کیا دیکھتے ہیں

جب اس پر کوئی بارِ احساں نہیں ہے
کیوں اپنی کمر کو دوتا دیکھتے ہیں

لگائے ہوئے ہیں سرِ طور آنکھیں
مگر یہ نہ پوچھو کہ کیا دیکھتے ہیں

کبھی دیکھ لے آکے گیسو زدہ کو
تری راہ بادِ صبا دیکھتے ہیں

ہوائیں[لے] موافق رہیں کس قدر بھی
خردمند سر پر قضا دیکھتے ہیں

وہی کاٹتے ہیں جو بوتے ہیں سیفی
بُرائی کا بدلا بُرا دیکھتے ہیں

لے قلعہ عکہ کے متصل سمندر میں ایک برج تھا جس میں مسلمان رہا کرتے تھے ساکنین قلعہ کا یہ کام تھا کہ اسلامی جہازوں کو مدد دیں اور دشمنوں کے حملہ آور جہازوں کو قلعہ کی طرف بڑھنے سے روکیں۔ جب عیسائیوں کو کئی لاکھ فوج سے محاصرہ کیئے پر بھی فتح عکہ سے ناامیدی ہوگئی تو وہ دیوانہ وار ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے لگے اور اس دیوانگی میں انہیں یہ سوجھی کہ کسی طرح برج مذکور کو جلا دیا جائے اور اس کے لئے یہ ترکیب نکالی کہ ایک بہت بڑے جہاز پر کثرت سے بارود اور ایندھن جمع کر دیا اور اس بارود کے برج کو اس برج کے قریب لے جا کر جس وقت ہوائیں ان کے منشا کے موافق تھیں آگ لگا دی۔ یہ ایک نئی ایجاد اور آتشبازی کے ایک دلچسپ تماشہ کی تمہید بنیاد تھی۔ اسلئے عیسائی فوج کا اکثر حصہ تماشہ بینی کے لئے جمع ہوگیا تھا اور مخالف کی تباہی و بربادی کی خوشیاں منا رہا تھا لیکن جب آگ پوری طور پر بھڑک گئی تو ہوائیں ایک دم مخالف ہوگئیں اور آگ کے وہ شعلے جو اسلامی برج کی طرف لپک رہے تھے خود عیسائی جہازوں اور لشکر پر ٹوٹ پڑے اور آنِ واحد میں انہیں جلا کر تہس نہس کر دیا اس اپنے ہاتھوں لگائی ہوئی آگ سے صرف ڈیوک آف آسٹریلیا کے سوا جس نے دریا میں کود کر بصد دقت جان بچائی تھی باقی تماشائین جل کر سمندر میں غرق ہوگئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

پریشانیوں کے زمانہ میں سیفی
جو کچھ سوجھتی ہے بُری سوجھتی ہے

خطاب بہ قوم

خوش اقبالی سے کیا اے قوم تیری پاس باقی ہو
مگر اب تک ترے سر پہ وہی بو باس باقی ہے

گلا اب بھی تجھے کیا ہم سے اے افلاس باقی ہو
کہ دیبا کے عوض اک جامۂ کرپاس باقی ہے

کوئی اس مخزنِ الماس کو اب کیوں کہے مخزن
جہاں لاکھوں کے بدلے ایک ہی الماس باقی ہے

نہ تنہائی پہ اپنی اے صنادیدِ عرب رونا
تمہاری ہمنشینی کو نگاہِ یاس باقی ہے

؎ خلیفہ مہدی کسی غریب کو پانچ ہزار درہم دینا چاہتے تھے۔ لیکن لکھتے وقت سہواً پانچ لاکھ لکھے گئے لکھنے کے بعد ترمیم کرنے کو آپ نے پسند نہیں کیا۔ آخر جو رقم لکھی گئی تھی وہی دیدی۔ مامون الرشید کے دسترخوان پر عیدوں اور معمولی خوشی کی تقریبوں میں تین سو قسم کے کھانے ہوا کرتے تھے۔ خلیفہ مقتدی بامر اللہ کی شادی ملک شاہ سلجوقی کی لڑکی کے ساتھ جس دھوم دھام سے ہوئی ہے اس کے تفصیلی واقعات دیکھنے کے قابل ہیں۔ طرفین کے کروڑوں روپیہ صرف ہوئے صرف طعام ولیمہ میں چالیس ہزار من شکر صرف ہوئی تھی باقی تکلفات کا اسی پر سے قیاس کیا جاسکتا ہے۔ خلفائے عباسیہ سے مستعصم باللہ آخری خلیفہ ہے۔ بریں ہم اس کے جلوس کی سواری دیکھنے کے لئے عیدین کو اطراف عالم سے اس قدر تماشائی جمع ہوجاتے تھے کہ جن راستوں سے سواری گذرتی تھی اس راستے کے مکان داروں کو تماشا بینوں سے تیس ہزار اشرفیاں وصول ہوا کرتی تھیں۔ خلیفہ طاہر ایک دن اپنے محل کی چھت پر چلے گئے۔ دیکھا کہ لوگوں کے گھروں کی دیواروں پر دھوئے ہوئے کپڑے سوکھ رہے ہیں اس سے رعایا کی تنگدستی کا خیال کرکے بہت غمگین ہوئے اور حکم دیا کہ فوراً سونے کی گولیاں بنائی جائیں۔ روزانہ رات کو غلیلوں کے ذریعہ گولیاں رعایا کے گھروں میں پھینکی جاتی تھیں خلیفہ خود بھی پھینکتا تھا اور اس کے شاگرد پیشہ بھی۔ سلطان محمد تغلق کے روزانہ عام دسترخوان کے لئے ڈھائی ہزار بیل اور دو ہزار بھیڑ بکریاں ذبح ہوتی تھیں اور بیس ہزار آدمی کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور اس کے جلوس کی سواری کے وقت ہاتھیوں پر منجنیقیں رکھکر درہم و دینار پھینکے جاتے تھے۔ شاہجہاں نے تخت نشین ہوتے ہی چار کروڑ اسی لاکھ روپیہ اور چار لاکھ بیگہ زمین غربا کو انعام میں دی۔ غرض مسلمان بادشاہوں کے فیضِ کرم سے کوئی شخص محروم نہ رہتا تھا۔ بادشاہ کی نظر جس پر پڑی وہ نہال ہوگیا اور عمر بھر کی کلفت دور ہوگئی۔ انہی وجوہ سے پہلے کے لوگ بادشاہوں کے دیکھنے کو خوش بختی خیال کرتے تھے اور بخت و اتفاق کے زیادہ قائل تھے۔ اللہ اللہ کیا زمانے تھے اور کیا خوش قسمت رعایا تھی

خدا کے واسطے خود کامیوں کو چھوڑ دو اپنی
اگر تم کو بزرگوں سے کسی کا پاس باقی ہے

بھلایا عاقبت کو ہم نے کس نعمت کے برتے پر
مگر حصہ میں عمر حضرتِ الیاس باقی ہے

نہ کچھ آئندہ نسلوں کی ملامت ہی کا اندیشہ
نہ اپنے نفع و نقصان کا احساس باقی ہے

کہیں کچھ حبِ قومی ہے نہ جوشِ صادقِ مذہب
ہمیں اپنے سنبھل جانیکی اب کیا آس باقی ہے

پھنسا رکھا ہے اپنے دلکو کیوں ابلہ فریبی میں
یہی ہے ناتواں بینی تو پھر کیا آس باقی ہے

نشانِ الفتِ حق کیوں ہوا کہدو تباہ ہے
کہ اس میں دیکھئے خود غرضیونکا پاس باقی ہے

فقط فردوس کی خواہش تو واللہ کچھ نہیں سیفی
خدا کے فضل و رحمت سے بہت کچھ آس باقی ہے

لہ مجاہدین سلجوقیہ کے غازیانہ عزم و رزم سے ارمانوس قیصر روم جب یہ سمجھ گیا کہ اب اسلامی جرأت سے باقاعدہ کام لینے والے نکل آئے ہیں تو اس نے انجام یورپ سے گھبرا کر اٹلی۔ یونان۔ فرانس۔ روس۔ جرمن اور آسٹریا کی دو لاکھ منتخب اور ساز و یراق سے مکمل فوج کے ساتھ بغداد فتح کر لینے کے خیال سے بلادِ اسلام کا ارادہ کیا اور اچانک الپ ارسلان کے قریب پہنچ گیا خانِ مذکور کو اتنی کثیر فوج کے ساتھ دشمن کے سر پر آپہنچنے کی اطلاع ملی تو بہت متردد ہوا پریشانی کا موقع اس وجہ سے بھی تھا کہ ساتھ صرف پندرہ ہزار سپاہی تھے اور مزید فوج کے جمع کرنے کا موقع نہیں تھا لیکن علما و فقہا کی پرتاثیر تقریروں نے مایوس ہمتوں میں جان ڈالدی اور جہاد پر آمادہ ہوگیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد سلطان نے نہایت عجز و الحاح کے ساتھ دعائیں مانگیں اور ایک درد بھرے وعظ کے بعد فوج سے کہا کہ میں موت کے دریا میں تیرنے کو تیار ہو گیا ہوں۔ اس آفت ناگہانی کی اہمیت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ تم سے جو شخص جانا چاہتا ہے چلا جائے میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں۔ مگر اس لشکر سے جس کے ہر ایک سپاہی کے رگ و ریشہ میں حرارتِ اسلامی موجزن تھی کسی نے جانیکا ارادہ نہیں کیا اور تمام بالاتفاق کہنے لگے کہ یہ وقت اسلام اور مسلمانوں پر نازک ہے اور آپ محض قوم و ملت کے لئے سرفروشی پر آمادہ ہو گئے ہیں اسلئے ایسے وقت آپ سے علیحدہ ہونا احکام خدا کو پس پشت ڈالنا ہے۔ اب آپ جو کچھ فرمائیں گے اس کی بسر و چشم تعمیل کیجائے گی الپ ارسلان یہ جواب سن کر سجدہ میں گر پڑا اور دعا سے فارغ ہوتے ہی سر سے کفن باندھ کر میدان جنگ کی طرف چلا اور اس جوش و بے جگری سے حملہ آور ہوا کہ دو لاکھ رومی فوج کے اوسان خطا ہو گئے اور اس گھبراہٹ سے بھاگ نکلی کہ ہزار ہا مارے گئے اور زمین لاشوں سے پٹ گئی اور وطن پہنچنے تک بلادِ اسلام کی طرف مڑ کر نہ دیکھا

یہ نظم زمانہ جنگِ بلقان میں اُن مجروح وجاں بلب ترکوں کی امداد کیلئے
لکھی گئی تھی جن کے المناک احوال سے متاثر ہوکر نہ صرف ہندوستان کی
مسلم آبادی نے لاکھوں روپیوں سے اعانت کی تھی بلکہ اُس وقت کے ولیسرائے
بہادرِ ہند نے بھی معقول چندہ عنایت کیا تھا۔ یہ مسدس بلحاظِ مقبولیت
انجمنِ مصلحِ اخلاق بسمت نگر کے اہتمام سے بارہا چھپا اور اخبارِ عثمان گزٹ ۱۶ ماہ جنوری ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا

فریادِ سیفی

اے قوم ترے جہل وتغافل نے ڈبویا
تخمِ غم وحسرت چمنِ عیش میں بویا
دھبہ کی طرح قشقۂ اقبال کو دھویا
ہاتھوں سے فضیلت کی ہر اک چیز کو کھویا
باقی ہے جو کچھ اس کے بھی اب پیچھے پڑے ہو
آثار یہ کہتے ہیں کہ مٹنے پہ اڑے ہو

ہر وقت یہ آپس کی رجز خوانی بے جا
بے علمی و ناداری و نادانی بے جا
خود بینی بے اصل و تن آسانی بے جا
کم ہمتی و بے سروسامانی بے جا
معلوم نہیں کیا تمھیں دکھلاتی ہے آگے
اور کون سی آفت میں پھنسا جاتی ہے آگے

ماء ایک وقت حضرت عمرؓ کے دربارِ عدالت پر بعض روسائے قریش کے ساتھ حضرت بلال وصہیب بھی باریابی کے منتظر تھے کہ سابق الاسلام ہونے کی وجہ پہلے غلام اندر بلالئے گئے اور بعد دوسرے۔ اس کا روسائے قریش کو بہت رنج ہوا مگر اس لئے نہیں کہ وہ خود کو حضرت بلال وصہیب سے بہتر سمجھتے تھے۔ بلکہ اس لئے کہ ان سے مسلمان ہونے میں غفلت اور تاخیر ہو چکی تھی۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

بیوپار کسے کہتے ہیں تم کو نہیں معلوم
دربار کسے کہتے ہیں تم کو نہیں معلوم
گلزار کسے کہتے ہیں تم کو نہیں معلوم
سرکار کسے کہتے ہیں تم کو نہیں معلوم

معلوم اگر ہے بھی تو انجان ہوا ہے
بے حس تہِ خنجر کوئی بے جان ہو جیسے

ہر قوم میں آثارِ ترقی ہیں نمایاں
محنت سے مشقت سے ہیں اس طرح گریزاں
انجام سے غافل ہیں مگر ایک مسلماں
جس طرح ہوا ہوتے ہیں لاحول سے شیطاں

ہاں عیش پرستی کے سوا کام نہیں ہے
مرنے سے زیادہ کہیں جینے کا یقیں ہے

اے مسلمانانِ اندلس کے علمی کارناموں اور اقوام یورپ پر اُن کے اُن احسانوں کا اجمالی تذکرہ جن کی وجہ آج اہل یورپ اس رنگ روپ میں ہیں اسی کتاب کے گزشتہ صفحات میں درج ہے لیکن ان احسانوں کا صلہ محسنین کو جو ملا وہ یہ ہے کہ ۱۴۹۲ء میں جب فرڈی ننڈ دار السلطنت غرناطہ پر قابض و متصرف ہو گیا تو اس نے تمام عہد و پیمان اور انسانی ہمدردی کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں کے اخراج اور اُن کے قتل عام کے اس سلسلہ کو شروع کیا جو نہایت سفاکی کے ساتھ زمانہ دراز تک جاری رہا۔ اول مسلمان عیسائی ہونے پر ہر طرح مجبور کئے گئے اور پھر جو با اثر لوگ تھے انہیں مال و اسباب ضبط کر کے جلا وطن کر دیا گیا اور باقی بے وسیلہ و کم قوت مسلمانوں کو قتل اس طرح تیس لاکھ مسلمانوں کو خانماں برباد اور خاک و خون میں ملا دیا گیا اور وہ ساری اسلامی ترقی جو آٹھ سو برس سے یورپ کو منور کر رہی تھی ملیامیٹ کر دی گئی افسوس افسوس!

حالیہ جنگ یورپ میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ مسلمانانِ آرمینیا و تھریس و یونان و سمرنا وغیرہ جس طرح ذبح و برباد کئے جا رہے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ برادرانِ اسلام! ایسے موقع دشمنوں کو کیوں مل رہے ہیں؟ محض اس لئے کہ ہم میں اب وہ پہلا مذہبی جوش باقی رہا ہے نہ اتفاق و اتحاد۔ ہر فرد رشتہ بے نہار رہا ہوا ہے اور خود غرضیوں میں مبتلا یہ ساری خرابیاں ایک احکام مذہب پر نہ چلنے کی وجہ ہیں۔ آج ہم پابند مذہب ہو جائیں تو مجال بھی ہے کہ ہمیں کوئی آنکھ بھر کر دیکھ سکے۔ روشن خیالو! مسلمان ہو تو مسلمان ہی رہو دوسروں کو نام سے دھوکا دینے اور مذبذبین بین ذلک لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء کے مصداق بنے رہنے سے کیا فائدہ

وہ چمن کیا ایک ویرانہ تھا جس میں تو نہ ہو ([illegible]) کیا کریں اُس گل کو لیکر جس میں تیری بو نہ ہو

اسلاف کے اخلاق سے نفرت ہے بلا کی — مذہب کی محبت ہے نہ احکام خدا کی
سرسبز ہو کیا پند کسی راہ نما کی — پروا ہی نہیں کشمکشِ روزِ جزا کی

ناصح کے برابر انھیں دشمن نہیں کوئی
اور عقل سے بڑھکر انھیں ناگن نہیں کوئی

آتا ہے جو آفت میں کوئی ان کی بلا سے — پھنستا ہے جو نکبت میں کوئی ان کی بلا سے
آگے ہے جو ہمت میں کوئی ان کی بلا سے — بڑھتا ہے جو دولت میں کوئی ان کی بلا سے

معلوم نہیں اتنے ہیں کیوں مستِ تغافل
راحت ہی میسر ہے نہ توقیر و تموّل

لہ تمام مورخین مشرق و مغرب باتفاق لکھتے ہیں کہ ہارون الرشید باوجود ایک جید عالم و فاضل اور اُس وسیع سلطنت کا عظیم الشان بادشاہ ہونے کے جس کی سطوت و جبروت کا مقابلہ کوئی اور سلطنت نہیں کر سکتی تھی اور جس کے باجگزار تمام شاہانِ یورپ تھے عقائد مذہبی کا اس قدر معتقد و پابند تھا کہ نماز پنجگانہ کے سوا روزآنہ بلاناغہ سو رکعت نفل نمازیں بھی پڑھا کرتا تھا۔ ایک سال جہاد میں مشغول رہتا اور دوسرے سال بغداد سے مکہ معظمہ کو عربستان کی چلچلاتی دھوپوں کی سختیاں جھیلتے۔ تپتے ہوئے ریگستانوں کی صعوبتیں اُٹھاتے پاپیادہ ایک ہزار میل طے کرکے حج کو جاتا اپنے مال سے روزآنہ ہزار درہم غربا پر تقسیم کرتا۔ بہ ایں ہمہ مصلحانِ قوم کی تلخ و تیز باتوں کو نہ صرف حلم و تحمل سے سُنتا بلکہ اُن پر عمل بھی کرتا اور عذاب آخرۃ کے ڈرانے سے زار زار روتا

برادرانِ عزیز! کیا یہ ہارون الرشید کے لئے بہت آسان نہیں تھا کہ وہ اپنے علم و فضل کو یا عدل و بذل کو یا شرافتِ خاندان کو یا بزرگانِ دین کی شفاعت کو ذریعہ نجات سمجھ کر عیش و آرام میں ڈوب جاتا مگر نہیں اس جلیل القدر شہنشاہ کی نظر (من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ) اور ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اور نبی کریم و خلفائے راشدین کے طرز عمل پر تھی معلوم نہیں ہم کس شرافت۔ کس علم و فضل اور کس تموّل پر اوامر و نواہی الٰہی کو پس پشت ڈال رہے ہیں! بھائیو موت دور اور قیامت بعید نہیں کب تک نفسِ امارہ کے حکم پر چلا کروگے؟ کچھ تو انجام کی فکر کرو!

یہ سفید بال آئے کہ پیام موت آئے — غمِ عاقبت بھی کچھ ہو غمِ روزگار کبتک

جب بازئ شطرنج سے لو اپنی لگائی
شب کٹ گئی آنکھوں میں مگر نیند نہ آئی

پروا نہیں لُٹ جائے ادھر ساری خدائی
یہ وصف ہے کہ بس جیت میں ہو ساری بھلائی

ہاں مات کا ہونا ہے مگر موت کا آنا
اِس شرم و حیا کا بھی ہے کیا کوئی ٹھکانا

عنب شب میں گزر جائے تو گزری بہت اچھی
یاروں سے طبیعت ہے اسی کی بہت اچھی

بیٹھنے کا ارادہ ہو تو ٹھہری بہت اچھی
کہتا ہے جو ہر بات پہ ہاں جی بہت اچھی

شیطان کے قصوں سے بہلتی ہے طبیعت
اِس پہ ہوا گر چاٹ تو پھر مل گئی جنت

ئے آج کل افراد قوم کا یہ رنگ ہے۔ ایک وہ زمانہ بھی تھا کہ نونہالانِ اسلام تحصیل علم کے لئے ناقابلِ برداشت مصیبتیں اُٹھاتے ہوئے ہزارہا منزلیں طے کرکے ہر ایسے مقام کو پہنچ جاتے تھے جہاں ان کا کوئی عزیز رہتا تھا نہ شناسا نہ ذرائع آمد و رفت آسان تھے اور اُن کی ہمتیں اس قدر بلند تھیں کہ چندوں پر یا کسی سے کچھ مانگ کر اپنی گزر نہ کرتے تھے بلکہ اپنی سعی سے قوت لایموت حاصل کر لیتے تھے جس کے لئے نہ سرمایہ کی ضرورت تھی نہ دکان و مکان کی نہ ایسے اسباب کی جس کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنے میں دشواری ہو مثلاً کفش دوزی و قفل سازی وغیرہ۔ تنبیہہ۔ اکتساب علم سے ان کی غرض خدمت قوم اور خدا شناسی تھی اس لئے اُن پیشوں کے اختیار کر لینے میں اُن کو مطلق عذر و ننگ نہ تھا۔ اِس کے سوا خصیتاً ان بخش اکل حلال اور نفس امارہ کی سرکشیاں مٹانے کے لئے ان سے بہتر کوئی اور ذرائع بھی میسر نہ تھے۔ چنانچہ علامہ مروزی شمس الائمہ۔ امام ابو امام ابوحنیفہ اور ان حضرات کے بزرگ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین بالترتیب قفل ساز۔ حلوائی۔ کفش دوز اور بزاز تھے۔ اِس آخری زمانہ میں حضرت سردار بیگ صاحب قدس سرہٗ العزیز جو حیدرآباد دکن کے مشاہیر اولیاء سے ہیں اغراض مذکور کے لئے جلد سازی فرمایا کرتے تھے بعض بزرگ حمالی کرتے ہوئے بھی نظر آئے ہیں۔ چونکہ اِس زمانہ میں یہ پیشے رذیل ترین لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اِس لئے اِن پیشوں کو بزرگان موصوف سے منسوب کرتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے ورنہ زمانۂ اسلام میں یہ پیشے مہذب اور دیندار اشخاص کے لئے باعثِ عار نہ تھے اور ان کو بہ نظرِ تحقیر دیکھنے کی کوئی بات نہ تھی

سیفی

خدا کچھ عقل اور ہمت انھیں دے
جو بیکاری کو کہتے ہیں توکل

دنیا کی بھلائی کا خوشامد پہ بھروسا
عقبیٰ کے لئے ہے کسی مرقد پہ بھروسا
رہنے کو ہے تعمیر اب و جد پہ بھروسا
گزران کو ہے غیب کی آمد پہ بھروسا

محنت نہ ہو جس کام میں وہ کام ہے اچھا
ذلت سے بھی حاصل ہو تو آرام ہے اچھا

گر رقص کی محفل کا کہیں مشورہ سن پائیں
کچھ قرض بھی لیں رہن کوئی چیز بھی رکھوائیں
بے ساختہ اظہارِ تمول پہ اُتر آئیں
ہرگز کسی ساہو کے تقاضہ سے نہ گھبرائیں

مشکل ہے مگر داد و دہش[1] راہِ خدا میں
پھر اس پہ قدم رکھتے بھی ہیں بزم و فا میں

[1] سخاوت مذہب اسلام کی اُن خصوصیات سے ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی اور قوم کر نہیں سکتی مسلمان جب زمانہ میں واقعی مسلمان اور ایک زندہ قوم تھے ان سے عدیم المثال سخاوتیں ہوئی ہیں ان سے بعض کا تذکرہ اس موقع پر بے موقع نہ ہوتا مگر افسوس کہ اس حاشیہ میں اس کی مطلق گنجائش نہیں جن اکابر قوم کے اسمائے مقدس ذیل میں درج کئے گئے ہیں اُنکی تخصیص کے چند مقاصد ہیں۔ (۱) یہ کہ ان بزرگانِ دین نے جن صعب ترین اور نازک موقعوں میں اپنی اور اپنے متعلقین کی کسی تکلیف کا خیال نہ کر کے جس خلوص سے اپنے جان و مال کو اسلام پر قربان کیا ہے اس قدر زبان زد خاص و عام ہے کہ اس کے لئے کسی تفصیل و صراحت کی ضرورت نہیں ہے۔ (۲) یہ کہ اس زمانہ کے اکثر واعظ ان مقتدایانِ قوم کے صرف صبر و قناعت و توکل کے تذکرے ہی ہمیشہ کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ قوم کے کم علم افراد یہ بات ذہن نشین کر چکے ہیں کہ وہ نادار و مفلس تھے حالانکہ ایسا نہیں تھا بلکہ اُن کی دولت اور اس کا حاصل کرنا خدا کے بندوں کی امداد اور رسول کریم کے امتیوں کی اعانت کیلئے تھا اور فاقہ کشیاں اور نفس کشیاں خدا کی خوشنودی کی خاطر تھیں غالباً ان قوم کے سر بر آوردہ نازحضرات کے ایسے واقعات سنکر اُن متمول افراد کو بڑی حیرت ہوتی ہوگی جو محض تن پرور و خود غرض ہیں اور جن کی کمائی صرف اُن کی ذات کے لئے ہے۔

نام	مصارف فی سبیل اللہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ	چالیس ہزار نقد
" صدیق "	" " "
" عثمان "	پچاس گھوڑے ایک ہزار نو سو اونٹ ایکہزار دینار سات ہزار درہم
عبدالرحمن بن عوف "	چالیس ہزار نقد پانسو گھوڑے ایکہزار پانسو اونٹ
حضرت طلحہ "	سات لاکھ درہم صرف ایک رات میں مسلمانوں پر تقسیم کئے ہیں
سعد ابن وقاص	صرف ایک زکوٰۃ کے پانچ ہزار درہم ادا کیا کرتے تھے

نیت کا یہ عالم کہ سخاوت ہے بُری شے
عشرت کا یہ عالم ہے کہ دولت ہے بُری شے

ہمّت[1] کا یہ عالم کہ شجاعت ہے بُری شے
غیرت[2] کا یہ عالم ہے کہ عزت ہے بُری شے

اقوال کی پوچھو تو وہ سچے نہیں ہوتے
اعمال کی پوچھو تو وہ اچھے نہیں ہوتے

نقصانِ جفا پیشہ کے تاوان یہی ہیں!
انجامِ المناک سے حیران یہی ہیں

مکاریٔ اغیار پہ قربان یہی ہیں!
بے برگ و ثمر اور پریشان یہی ہیں

افسوس کہ آپس میں محبت نہیں اتنی
ہمدردی و ایثار و مروت نہیں اتنی

[1] معرکہ یوم العماس میں عمرو معدی کرب کو شوق شہادت نے کچھ ایسا از خود رفتہ کر دیا تھا کہ آپ توی سے قوی دشمن کی مطلق پروانہ کرتے تھے۔ تمام جسم خاک و خون میں لتھڑا ہوا ہے جا بجا برچھیوں کے زخم ہیں اور دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہے مگر آپ ہیں کہ جھلائے ہوئے شیر کی طرح متہورانہ حملے کر رہے ہیں تلوار کے کاری ہاتھ برابر لگائے چلے جاتے ہیں اور ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں رُکتے۔ اسی عالم میں ایک ایرانی سوار سوار برابر سے نکلا آپ نے اُچک کر اس کے گھوڑے کی دم تھام لی۔ ایرانی نے بار بار مہمیز کئے گراہ کر اہ کے ساری قوت صرف کی اور بہت مارا لیکن گھوڑا جانے سے نہ ہل سکا۔ آخر گھبرا کر کود پڑا اور گرتے پڑتے بھاگ گیا اور آپ اس کے گھوڑے پر اُچک کر سوار ہو گئے۔ سبحان اللہ کیا غازیانہ جوش تھا اور کیا طاقت و ہمت تھی! ایک ہم ہیں کہ ہمیں گھوڑے کی سواری بھی نہیں آتی! افسوس۔

[2] فتح علی شاہ قاچار کے جدِ اعلیٰ محمد حسن خان نے کسی موقع پر قبائل صحرا نشین کی بنیاد ڈالی تھی اور چند روز انھیں میں رہے تھے اس زمانہ میں ایک قبیلہ کے سردار نے خان صاحب کو اپنی پری پیکر خوبرو بیٹی دینی چاہی۔ آپ نے انکار کر دیا اور کہا کہ اس لڑکی کی طبیعت ایسی نہ ہوگی جس کے بیٹے تخت و تاج کے لئے جان قربان کر دیں۔

آج کل کے امراء کی عیش پسندی و حسن پرستی جس رنگ میں رنگی ہوئی ہے اس کا اظہار بہت ہی شرمناک ہے خدا انہیں توفیق نیک عطائے فرمائے کہ یہ اپنی روایات خاندانی کا پاس و لحاظ رکھیں اور قومی تباہی کو اپنی کرتوت اور عدم توجہی کا نتیجہ سمجھیں

ربنا اغفر لنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکفرین

ہر اک لحظۂ زندگی بے بہا ہے (سیفیؔ) نہ ہو گا یہ کم ہو کے حضرت زیادہ

جینے ہی میں کچھ لطف نہ مرنے میں مزہ ہے　　اٹھا ہوا سینہ میں دمِ صدق و صفا ہے
ہر موجِ ہوا جنبشِ شمشیرِ فنا ہے　　بگڑی ہوئی کچھ ایسی زمانہ کی ہوا ہے

لیکن انھیں کچھ ہوش ابھی آتے نہیں ہیں
مستقبلِ اسلام سے شرماتے نہیں ہیں

جب ہو گئی مشہورِ جہاں ایسی جہالت　　غیروں نے فراہم کئے سامانِ مصیبت
ترکوں کی جو لے دے کے ہے اب ایک[1] ریاست　　جنگ اس سے بھی چھیڑی ہے بآئینِ سفاہت

اِک پھول کی سوکھی ہوئی پتی سی ہے پھر بھی
کانٹا سا کھٹکتی ہے نگاہوں میں عدو کی

[1] ترکی ریاست کا دار الخلافہ قسطنطنیہ ہے اور یہ وہ عظیم الشان قدیم شہر ہے جس کے فتح کی بشارت رسول کریم نے دی تھی اس پر پہلا حملہ امیر معاویہ کے عہد میں ہوا۔ ابو ایوب انصاری عبد اللہ بن عمرؓ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر اصحاب شریک فوج تھے حضرت ابو ایوب قسطنطنیہ میں شہید ہوئے۔ آپ کی قبر بے ادبی کے اندیشہ سے زمین کے برابر کر دی گئی تھی۔ سلطان محمد نے ۸۵۷ھ میں اس کو فتح کر کے حضرت شمش الدین سے قبر بتلانے کی درخواست کی تو آپ نے ذریعہ کشف معلوم کر کے پتہ بتلایا اور کھودنے پر حضرت کی قبر اس لوح کے ساتھ جس پر ہذا قبر ابو ایوب انصاری لکھا ہوا تھا برآمد ہوئی۔ قسطنطنیہ میں سابق ایرانی یونانی اور عیسائی حکمرانوں سے اس وقت کسی کے کوئی آثار باقی نہیں ہیں تقریباً پانسو سال سے ترکی حکومت رہنے کی وجہ اب یہ ایک خاص اسلامی شہر ہو گیا ہے جسمیں ہزارہا تاریخی بے نظیر مسجدیں اور خانقاہیں ہیں اور تین چوتھائی مسلم آبادی ہے اور ایسی مسلم آبادی جس کے متعلق مسیحی معتبر مورخ باوجود عناد لکھتے ہیں کہ مذہبی بے تعصبی اور عدالت میں ترکوں کو تمام عیسائی دنیا پر فوقیت حاصل ہے پندرھویں اور سولھویں صدی میں علمی ایجادات و اختراعات کے لحاظ سے ترک تمام یورپ کے سرتاج تھے۔ انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب۔ کمسریٹ۔ رسد رسانی اور فوجی باقاعدہ شفا خانوں کا انتظام قلعوں کی تعمیر۔ فوجی باجا یورپ نے ترکوں ہی سے سیکھا۔ چیچک کے ٹیکہ کا اصلی موجد ایک ترک ہی ہے

[2] حضرت امام احمد حنبل دس لاکھ احادیث کے حافظ تھے آپ کی تاریخ ولادت ۱۶۴ھ اور تاریخ رحلت ۲۴۱ھ ہے بغداد شریف میں انتقال ہوا۔ آپ کی نماز جنازہ بھی ہائے کیا نماز جنازہ تھی۔ خلیفہ وقت المتوکل کے اہتمام سے حساب لگانے پر معلوم ہوا کہ آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں شریک جماعت اور بیس لاکھ پانسو گز زمین پر نماز کی صفیں استادہ تھیں اور اس شاندار پرشکوہ اسلامی مجمع کا کفار پر یہ اثر ہوا تھا کہ ان سے دس ہزار اسی روز مسلمان ہو گئے تھے سبحان اللہ کیا دوسری قومیں ایسی کوئی ایک نظیر پیش کر سکتی ہیں ہرگز نہیں

اغیار کی در پردہ مصمم ہیں یہ رائیں
کھانا بھی یہ کھائیں تو غم و رنج ہی کھائیں
یورپ میں مسلمان نہ ہرگز نظر آئیں
گلزار کو چھوڑیں کسی صحرا کو بسائیں

اے قوم بتا اب جو ترے دل کی ہوس ہے
عزت سے غرض ہے کہ یہ افلاس ہی بس ہے

وہ ترک جو اسلام کے ہیں قوتِ بازو
افسوس انھیں چین نہیں اب کسی پہلو
وہ ترک جو ہیں قوم کے امراض کی دارو
اس طرح ستاتے ہیں دغا پیشہ ستم جو

بے طور گھرے جاتے ہیں نرغہ میں عدو کے
اللہ ہی بچائے تو بچیں غیر کے شر سے

یہ ترک گیارہ سو سال سے اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔ خصوصاً قسطنطنیہ کا موجودہ حکمراں خاندان سات صدیوں کے اسلام کی غازیانہ و مجاہدانہ حمایت میں سرگرم ہے اس خاندان کا پہلا سلطان غازی عثمان خاں جس کی تمام عمر مخالفین اسلام کی سرکوبی ہی میں بسر ہوئی زہد و اتقا میں نمونہ اصحاب کرام تھا۔ عقائد مذہبی نہایت پرجوش تھے کہتے ہیں کہ یہ سلطان ایک سفر میں کسی کے پاس مہمان رہا میزبان نے جو مکان ان کے قیام کے لئے منتخب کیا تھا اس میں ایک کلام مجید بھی رکھا ہوا تھا جس کی سلطان کو اطلاع نہیں تھی۔ سوتے وقت جب نظر پڑی تو اس خیال سے کہ یہاں سونا تعظیم کے خلاف ہے کلام اللہ کے سامنے ہاتھ باندھے ہوئے رات بھر کھڑے رہے اور اپنے آرام کے لئے کلام مجید کو کہیں اور رکھوانا بھی پسند نہیں کیا

اس دیندار عظیم الشان بادشاہ کے پاس مرتے وقت صرف پگڑی۔ کوٹ۔ تلوار اور ایک گھوڑا تھا باقی ساز و سامان سلطنت سے کوئی چیز زیر استعمال نہیں تھی

غالباً اس زمانہ کے روشن خیال اس جذبہ صادق مذہبی او راس اسباب زندگی کو دیوانگی یا بیوقوفی کا نتیجہ سمجھتے ہونگے۔ اور کیوں نہ سمجھیں جب کہ ان کے دل میں نعوذ باللہ خدا کا خوف ہی نہ ہے اور نہ انکی کمائی میں خدا کا حق ہے نہ رسول کا نہ قوم کا

حقیقت یہ ہے کہ سلطان عثمان خاں ہی کے جیسے پاک نفوس کی مساعیٔ جمیلہ کی بدولت آج دنیا میں ۴۰ کروڑ مسلمان نظر آ رہے ہیں اگر قرونِ اولیٰ کے مسلمان بھی ہمارے ہی جیسے مسلمان ہوتے تو آج ہندوستان میں ۷ کروڑ کے عوض سات مسلمان بھی نہ ہوتے بھائیو اللہ کو مانو اور رہنما لو

اور سیفی

سوا خدا کے لگاؤ نہ دل کسی سے تم
نہ رہنے پاؤ گے ورنہ کبھی خوشی سے تم

سرکوبِ منات و ہبل و لات یہی ہیں
مقبولِ وِ قاضیِ حاجات یہی ہیں

طغرائے فرامینِ سماوات یہی ہیں
ہم سب کے لئے وجہِ مباہات یہی ہیں

جو کچھ ہے انہی سے ہے اب اسلام کی عزت
واللہ حضرات کا ہے عنوانِ قیامت

ہرچند شجاعت میں وہ مشہور بڑے ہیں
میدانِ تہور میں وہ جس وقت اڑے ہیں

بانیٔ ہے ظفر جب کبھی دشمن سے لڑے ہیں
لاکھوں ہی پہ بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے ہیں

سب کچھ ہیں مگر زہد سے ناچار بہت ہیں
خالی جو خزانہ ہے تو وہ زار بہت ہیں

لہ سلطان مراد خاں ثانی اپنے بڑے بیٹے کی وفات سے اس قدر متاثر و غمگین ہوئے کہ کاروبارِ سلطنت سے سخت نفرت ہوگئی۔ چونکہ ممالک محروسہ میں ہر طرف امن تھا تمام شاہانِ یورپ سے صلح کے معاہدے تھے اور بہ ظاہر کسی جنگ کی توقع بھی نہیں تھی اس لئے وہ تخت و تاج اپنے چھوٹے بیٹے کے سپرد کرکے خود گوشہ نشین ہوگئے۔ رؤسائے یورپ کو جب اس کی خبر ہوئی اور انہوں نے اس شیر بیشۂ دغا کو جو سالونیکا کو فتح کرکے علاقہ ہنگری سے ستر ہزار قیدی لیکر واپس ہوا تھا معطل اور ایک خوردسال کو فرماں روا دیکھا تو فوراً لڑائی پر آمادہ ہوگئے اور اچانک فوج کشی کردی یہ حال دیکھا تو سلطان عزلت گزیدہ کو بیٹے کی کمسنی کا لحاظ کرکے کنجِ عبادت سے نکلنا پڑا۔ آخر خود فوج لیکر مقامِ جنگ تک پہنچ گئے اور عہدنامے نیزوں کو باندھ کر دکھائے کہ اپنی فتح کا یقین ہو تو ایسی باتوں کی پروا نہ کرتے والے عیسائیوں نے جواباً حملہ کردیا۔ اس بے ایمانی کو دیکھ کر دفعتاً بادشاہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ جھنجھلا کر دشمن کی اپنی فوج سے دس گنا زیادہ فوج میں گھس پڑا۔ اور تیر سے مار کر شاہ ہنگری کو زمین پر گرا دیا اور اس کا سر کاٹ کر نیزہ پر رکھا اور دشمنوں کو بتلایا۔ اب کہیں عیسائیوں کو عقل آئی اور انجامِ بدعہدی آنکھوں سے دیکھا تو ایسے بدحواس ہوکر بھاگے کہ کسی نقصان کا انہیں خیال نہیں رہا۔ بڑے بڑے بہادر سور ما گاجر مولی کی طرح کٹ گئے۔ اور عیسائیوں کی فوجِ کثیر تہ تیغ ہوئی۔ اور سلطان مراد خان ثانی مظفر و منصور مع غنیمت واپس ہوئے۔

سیفی

ٹلتے نہیں ہیں شیر شجاعت کے سامنے
دریا بھی اک حباب ہے ہمت کے سامنے

گرسر وہ کٹاتے ہیں پئے عزتِ قومی
دینے سے کم و بیش کے جھجکو نہ ذرا بھی

تم خرچ کرو خدمتِ دیں کے لئے زر ہی
پیسہ ہو کہ دھیلا ہو کہ دمڑی ہو کہ کوڑی

نفرت سے دولت کو چھپانا نہیں اچھا
انجام کو مٹی میں ملانا نہیں اچھا

لازم ہے کہ اب الفتِ قومی کو دکھائیں
دل پہ سے ہر اک رنج و مصیبت کو ہٹائیں

احکامِ خدا پر سرِ تسلیم جھکائیں
مل جل کے جو کچھ بوجھ پڑا ہے وہ اٹھائیں

ہر شخص پر اب ہمت و ایثار ہے واجب
ہو جائیں جو سب ایک تو غیروں پہ ہوں غالب

ترک چار سو برس سے محض مذہب کے لئے اپنی لاشیں خاک و خون میں تڑپا رہے ہیں دنیا بھر کے مسلمانوں سے کسی قوم نے اتنا چار صدیوں کے اندر یورپ کے مقابلہ میں دفاع و جہاد کے جیسے اولیں فرضِ دینی کو ادا نہیں کیا۔ اگر ترک بھی ایسا ہی کرتے اور اعلائے دینِ متین کے لئے ہر وقت سربکف نہ رہتے تو آج سے صدیوں پہلے تمام وسط ایشیا میں وہی حشر برپا رہتا جو اب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندی مسلمانوں سے جو تعداد میں اکثر مقام کے مسلمانوں سے بڑھے ہوئے ہیں اس معاملے میں ناقابلِ معافی بے اعتنائی ہوئی ہے۔ اور ایسی غفلت جس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہ تھا۔ باسی کڑھی کے ابال کی طرح کبھی انھیں کچھ جوش بھی آگیا تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے اس قدر چندہ جو ان کے دریائے تعداد کا کسی طرح ایک قطرہ بھی نہیں کہا جا سکتا بھیجا ہوگا چندہ کی مقدار جس قدر بھی زیادہ ہو مگر اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب تمام عیسائی دنیا نے متفقہ طور پر چھ لاکھ فوج کے ساتھ فتح فلسطین کی نیت سے ۵۸۶ھ میں قلعہ عکہ کا محاصرہ کرلیا اور ایک سلطان صلاح الدین پورے یورپ کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے اس لئے عام مسلمان اور بعض امرا امداد و سلطان پر آمادہ ہوکر جوق جوق جہاد کے لئے جمع ہونے لگے۔ سب کے ساتھ خلیفہ بغداد نے بھی چند بار رودگر اور حشیش رکابگیروں کے ساتھ بیس ہزار دینار روانہ کئے مگر سلطان نے رقم یہ کہہ کر واپس کردی کہ اس وقت سرفروش محبِ ملت مجاہدین کی ضرورت ہے نہ کہ چندہ کی۔ عزیز و! چندہ کی عزت یہ ہے کہ جو لوگ ایسے موقعوں پر اپنی امداد سے بھی باز رہ جائیں وہ کس قسم کے مسلمان ہیں۔ نہیں معلوم خدا کرے کہ اب بھی ہم ہوشیار ہو جائیں ورنہ آگے یہ موقع بھی باقی نہ رہیں گے۔

جو کچھ کرنا ہے کرو جلد سیفی
بھروسا زندگی کا کچھ نہیں ہے

سمجھو اگر سمجھ لینے کو ہے تھوڑی سی مہلت
اللہ نے بخشی ہے تمہیں چشمِ بصیرت

خورشیدِ لبِ بام ہے اسلاف کی عزت
ہشیار و خردمند کو زیبا نہیں غفلت

جینا ہے تو عزت کا حکومت کا ہے جینا
مرنا ہے تو صہبائے شجاعت کا ہے پینا

عصمت ہے اگر ہم میں تو غیرت سے رہے کام
ہمت ہے اگر کچھ تو شجاعت سے رہے کام

طاقت ہے اگر ہم میں تو محنت سے رہے کام
دولت ہے اگر کچھ تو سخاوت سے رہے کام

یہ کیا ہے کہ بچوں کی طرح رونے لگیں ہم
اور مرنے سے پہلے ہی فنا ہونے لگیں ہم

لے فتح بغداد کے بعد ظالموں نے خلیفہ مستعصم باللہ کے متعلقین خاص سے ایک محجوبہ روزگار حسینہ کو ہلاکو خاں کی محفلِ عیش و نشاط میں پیش کیا۔ ہر چند ہلاکو خاں اس وقت نشۂ شراب میں چور اور بدمست تھا لیکن رعبِ حسن بھی عجیب چیز ہے۔ نظر پڑتے ہی مرعوب ہو گیا اور بے محابا دستِ ہوا و ہوس دراز کرنے کی جرأت نہیں ہوئی اسلئے رفعِ تکلف کے لئے ہلاکو خاں نے اخلاقی باتیں شروع کیں اور پوچھا کہ کیا آپ کی نظروں سے کوئی ایسی چیز بھی گزری جو عجائباتِ عالم سے ہو۔ حسینہ نے کہا کہ ہاں میرے پاس خلیفہ کی دو چیزیں ہیں (۱) تلوار ہے جو سنگ خارا کو ایک وار میں دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔ (۲) ایک پتھر ہے جس کو نزدیک رکھنے سے تلوار کارگر نہیں ہوتی۔ ہلاکو ان اشیاء کے دیکھنے کا بہت مشتاق ہوا اور حکم دیا کہ اسی وقت یہ چیزیں حاضر کی جائیں۔ حسینہ اپنے محل کو گئی اور کچھ دیر کے بعد لیکر آئی اور کہا کہ اگر ان کا امتحان بھی ابھی ہو جائے تو اچھا ہے اور ساتھ ہی تلوار کو ہلاکو کے ہاتھ میں دے دیا اور پتھر کو بتلا کر اپنے ہاتھ میں رکھا اور کہا کہ اب آپ بلا لحاظ وار کیجئے انشاء اللہ مجھ پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ اس کی بارہا آزمائش ہو چکی ہے ہلاکو نشہ میں تو تھا ہی کہنے میں آ گیا اور جھٹ سے تلوار چلائی۔ وار کے ساتھ حسینہ کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس تجربۂ تلخ سے ہلاکو کا نشہ کافور ہو گیا اور خاک و خون میں ایک چاند سی صورت کو تڑپتے دیکھکر حاضرین سے ہر ایک شخص رو پڑا اور یہ معلوم کر کے کہ محض عصمت بچانے کے لئے یہ ترکیب کی گئی ہے ہلاکو اپنی ناعاقبت اندیشی سے بہت ہی شرمندہ و پشیمان ہوا مگر اس عفت مآب عقل کی دیوی نے ظالم کے لئے غم و غصہ کے سوا اور کیا چیز چھوڑی تھی؟

سیفی

کیا مال جان و مال ہے عزت کے سامنے
ہستی ہے کوئی حسن کی عصمت کے سامنے

ہمت ہی سے دلی کو ہمایوں نے سنبھالا
ہمت ہی سے نادر کا تھا اقبال نرالا
ہمت ہی سے ہر قوم میں ہوتا ہے اُجالا
ہمت ہی کا دنیا میں سدا بول ہے بالا

جس قوم میں ہمت نہیں وہ قوم نہیں کچھ
ہوگی بھی اگر کچھ تو نہ ہوگی وہ کہیں کچھ

انصاف کے حامی ہیں طرفدار ہمارے
اے ترک نہ گھبراؤ کہ ہم بھی ہیں تمھارے
ترکی ہوں کہ مصری ہوں مسلمان ہیں سارے
جوش آئے تو ہو جائیگا خاشاک کنارے

سیفی درِ احمدؐ کا سہارا ہے تو بس ہے
اللہ مددگار ہمارا ہے تو بس ہے

ل حضرت اسامہ کسی معرکہ جہاد کی گڑبڑ میں ایک ایسے مشرک کو جو تلوار اٹھانے پر لا الہ الا اللہ کہہ اُٹھا تھا قتل کر بیٹھے تھے رسول کریمؐ کو جب اُسکی خبر ملی تو فرمایا کہ اے اسامہ قیامت کے دن لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس نے محض جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ دیا تھا ورنہ دل میں ہرگز وارد نہ کرتا مگر رحمۃ للعالمینؐ اسقدر متاثر تھے کہ بار بار بچشم نم یہی فرماتے تھے کہ اُسامہ قیامت کے دن کیا جواب دو گے۔ اُسامہ حضورؐ کی یہ کیفیت دیکھکر لرز گئے اور عہد کیا کہ کبھی کلمہ گو کو قتل نہ کرونگا۔ (ف) محمود غزنوی شاہ ابو الحسن خرقانیؒ سے ملنے گئے تو آپ نے کوئی تعظیم نہیں کی سلطان نے اپنے ولی الامر ہونے کے خیال سے اس بے التفاتی کو خلاف حکم خدا سمجھا جب حضرت اس وسوسہ سے مطلع ہوئے تو فرمایا کہ بھائی میں اطیعو اللہ ہی میں گرفتار ہوں اطیعو الرسول کی نوبت ہی نہیں آتی تا بہ اولی الامر چہ رسد (ف) کسی نے امام اعظمؒ سے پوچھا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی لڑائیوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا کہ جن باتوں کی روز حشر پرسش نہ ہوگی اُن کی طرف توجہ کرنیکی ضرورت نہیں (ف) شیخ محی الدین عربی کہتے ہیں مجھے ایک شخص سے اسلئے نفرت ہوگئی تھی کہ وہ شیخ ابو مدین کو ہمیشہ برا کہا کرتا تھا ایک دن عالم رویا میں مخبر صادقؐ نے فرمایا کہ تم فلاں شخص سے کیوں عداوت رکھتے ہو میں نے عرض کیا کہ حضرت وہ ابو مدین جیسے بزرگ کو نا سزا کہا کرتا ہے۔ فرمایا کہ اگر وہ خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے تو تم ابو مدین کی دشمنی کی وجہ اس سے نفرت رکھنے کے عوض خدا و رسول کی محبت کے خیال سے اس کو دوست کیوں نہیں رکھتے؟ جب میں بیدار ہوا تو اپنے کئے پر پشیمان ہوا اور اس کے گھر جا کے کچھ تحفے بھی دیئے اور بات چیت میں شیخ کے فضائل بھی بیان کئے خدا کا فضل کہ وہ اپنی جہالت سے باز آیا اور شیخ کی بزرگی کو مان گیا (ف) حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ ذمی کا خون ہمارا خون ہے اور اس کی دیت ہماری دیت ہے۔ بھائیو! لا الہ الا اللہ کی عظمت اطیعوا اللہ کی عزت اور امام اعظم جیسے شیدائے اہلبیت کے قول پر غور کرو ارشاد شہنشاہ نبوت اور حکم شاہ ولایت کے اسرار معلوم کرو! کیا ان تمام مستند واقعات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوگ فروع میں نہ پھنسیں اور اصول پیش نظر رکھکر شاہراہ اتفاق و اتحاد سے نہ بھٹکیں!

صدائے دل

مطبوعہ اخبار زمیندار ہفتہ وار ماہ جون ۱۹۲۱ء

من زاندوہ و درد بے نوائی	کہ از دزدان بکردم آشنائی
زنگلزار تو برگے ہم نہ بینم	کجائی اے صلاح الدین کجائی

ملہ بیت المقدس جو تمام اہل کتاب کے پاس واجب الاحترام اور اکثر انبیاء کرام کا مقرر مقام ہے اور جس کو اللہ جل شانہٗ نے اپنے کلام پاک میں ارض مقدس سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد عدالت میں خاص حضرت عمرؓ کے ہاتھوں فتح ہو کر (بارکناحولہ) پر ایمان رکھنے والوں کا مسکن قرار پایا اور اس متبرک مقام پر ۴۹۲ھ تک دلدادگان توحید اپنی پر امن زندگی بسر کرتے رہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کی نااتفاقیوں اور عیش پسندی سے فائدہ اٹھا کر وہ حامیان تثلیث جنہیں یروشلم کو مسلمانوں سے زیادہ مقدس ماننے کا دعویٰ ہے خاص شہر بیت المقدس کی گلی گلی میں۔ بوڑھے بچے بیمار اور حاملہ عورتوں کے امتیاز کے بغیر آٹھ روز تک مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا کر اور صرف محراب داؤد اور مسجد اقصیٰ میں آٹھ ہزار نفوس کو شہید کر کے اس پر قابض ہو گئے اور شرک و شراب کے ساتھ ایسے ایسے ظلم و ستم لیتے ہوئے جن کی نظیر تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی (۹۲) سال تک متصرف رہے بظاہر ان کے پنجۂ مظالم و فسق و فجور سے بیت المقدس کی رہائی محال تھی کہ ۵۸۳ھ میں خدائے عز و جل نے سلطان صلاح الدین کے پرجوش مذہبی جذبات کے ہاتھوں اس مبارک مقام کی خدمت پھر مسلمانوں کے سپرد کی سلطان نے فتح پاتے ہی ہر ایک مقدس مقام کو عطر و گلاب سے دھلوا کر شرک و شراب کی کثافتوں سے پاک و صاف کیا اور احکام خدا و رسول کا پاس اور مقامی عظمت کا لحاظ کر کے ہزارہا عیسائیوں کو مال و دولت کے ساتھ امان دے دی اور ایک خون کا قطرہ تک نہیں گرایا حالانکہ سابقہ خونریزی کا بدلہ لینے کا یہ اچھا موقع تھا۔ سیفی

قدرت رحم کرم ہے تو نہ تاخیر کرو ... بات رہ جاتی ہے اور وقت نہیں رہتا ہے

ہر چند ارض مقدس واپس لینے کے لئے تمام شاہان یورپ سے ہر ایک نے اپنی اپنی علمداری میں اس چندہ کے سوا جو مذہبی جوش سے بطور خود دیا جاتا ہے ہر شخص سے جنگی ٹیکس جس کا نام عشر صلاح الدین رکھا گیا تھا وصول کر کے فوج کشی کو بڑھائی اور باتفاق ایک لاکھ فوج سے جس کی تعداد بعد میں بڑھتے بڑھتے بائیس لاکھ تک پہنچ گئی تھی) حملہ کیا۔ لیکن سلطان کی مساعی کے سامنے کسی کی ایک نہ چلنے دی اور صرف چند ہزار فوج سے سب کو شکست پر شکست دے کر بے نیل مرام واپس کر دیا اور ہر ایک صلیبی لڑائی میں اللہ نے سلطان ہی کو فتح عنایت فرمائی۔ واللہ ناصر دینہ لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون

صلیبی لڑائیوں کے تذکرہ میں اس مضمون کے اضافہ کی اہم ضرورت ہے کہ :-

چرا گویم کہ نورالدین ہم از ماست ‏— نہ زیبد عاقلاں را خود ستائی
ستم کیا کیا کئے ظالم نے لیکن ‏— قیامت کو نہ آنا تھا نہ آئی
وہی کرنا جو اپنے دل میں آئے ‏— گلہ بھی سن لیا تو کیا بُرائی
شریکِ جرم تُو بے شک نہیں ہے ‏— مگر ظالم ترے دستِ حنائی
خیالِ وصل ہی دل میں نہیں کیا ‏— جتائیں اس قدر کیوں پارسائی

(بقیہ صفحہ گزشتہ) مذہب اسلام نے بہت ہی تھوڑی مدت میں دنیا کو ایسے عالم میں گلزار بنا دیا جبکہ وہ وادیٔ پُرخار بنی ہوئی تھی اور جس میں واحد ذوالجلال کی پرستش کرنے والا کوئی نہیں تھا اور اشرف المخلوقات اپنے بنائے ہوئے بتوں کے آگے سر اور پیٹ کے بل رینگ رہی تھی اور ہر شخص نفاق و شقاق کا مجسمہ۔ لہو ولعب کا دلدادہ اور میخواری و زنا کا فریفتہ تھا۔ اسلام نے نہ صرف فضائل اربعہ کا سنگ بنیاد رکھا بلکہ اپنے عمل سے سر بفلک عمارتیں تعمیر کر کے بتلا دیا کہ تہذیب و اخلاق کیا چیز ہیں جس کی وجہ بچھڑے ہوئے شیر و شکر ہو گئے۔ اور ہر شخص دائرہ بہیمیت سے نکل کر دائرہ انسانیت میں آگیا۔ اور ہر طرف سے پُر امن زندگی کی ہوائیں چلنے لگیں۔ مگر دشمنانِ توحید یعنی حضرات مغرب کو جنھیں سکونِ عالم ہمیشہ ناپسند رہا ہے کسی کی ایسی موحدانہ و آرام کی زندگی کب گوارا تھی۔ وحشیانہ خونریزی کو مقدس جنگوں کا خطاب دیکر علمی عمارتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور تمام اسلامی کوششوں کے سعادت انگیز نتائج کو خاک میں ملا دیا اور کامل تین صدیوں تک دنیا کو ایسے مصائب و آلام میں مبتلا رکھا کہ الاماں! الاماں!! لطف یہ ہے کہ اب آپ ہوش سنبھال کر اسلامی تاریخ کو تعصب کی دکان فرما رہے ہیں۔ کوئی ان سے یہ تو پوچھے کہ بزرگانِ تہذیب آخر اس دکان کا قصاب کون ہے؟ جب ایک طمانچہ کھا کر دوسرے کے لئے دوسرا رخ پیش کرنے والے ہمیشہ برسرپیکار رہیں تو وہ لوگ جن کے مذہب میں ایسا نہیں ہے کیوں ترکی بہ ترکی جواب نہ دیں۔

ہر شخص احوالِ حال پر سے گزشتہ واقعات کا اندازہ کرتا ہے۔ باوجودیکہ اس زمانہ میں مذہبی جذبات سرد پڑ گئے ہیں مگر مسلمان ان مظالم کو جو زبردستی مسلمانوں کے سر تھوپے جاتے ہیں اپنے نفس پر سے اندازہ کرتے ہوئے بالکل بعید از قیاس سمجھتے ہیں چہ جائیکہ اس وقت کے مسلمانوں سے ایسے مظالم سرزد ہوں جو احکامِ خدا و رسول کی تکمیل میں نہایت سرگرم و پرجوش تھے یہ دعویٰ کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان فاتحانہ شان سے داخل ہو کر کہیں اور کبھی فسق و فجور و زنا کے مرتکب نہیں ہوئے مگر عیسائیوں کو جب کبھی ایسا موقع ملا۔ پردہ دری و عصمت ریزی میں کوئی کسر باقی نہیں رہی۔ ایشیا میں جو شرم و حیا کا ایک گہوارہ ہے عیسائیوں کی ریاستیں برباد ہوئیں صرف بدکاری سے اور مسلمانوں کے قدم جمے محض حسنِ اخلاق سے۔ حسنِ اخلاق کے دلفریب مناظر اس وقت تک نظر نہیں آتے جب تک احکامِ مذہبی میں صداقت نہ ہو اگر عیسائی ایشیا میں رہنا بسنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنا

جو پہلے تھی وہی غفلت ہے اب بھی
اگر اب رہ گئے تو رہ گئے ہم

ملے گی کس طرح غم سے رہائی
کہ ہے یہ وقت قسمت آزمائی

اگر کچھ بھی سمجھ ہے تجھکو سیفی
ذکر انجام سے بے اعتنائی

مذہب بدل دینا چاہیے تاکہ اقتصادی و مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی کرنیکا بھی موقع ملے۔ وما علینا الا البلاغ

(حاشیہ صفحہ ۱۰۵ نمبر ۲) سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ جن کو قوم کی جانب سے فاتح بیت المقدس کا حق بجانب خطاب ملا ہے۔ ایک متقی عالم جید فقیہ۔ تاریخ و جغرافیہ کے زبردست ماہر۔ شعائر اسلام کے از حد پابند۔ غریبوں کے حامی اور صادق القول مسلمان تھے۔ انہی اوصاف کی وجہ ان کے دربار میں علماء و فضلاء کثرت سے جمع ہو گئے تھے سلام میں پیش قدمی کرنا ہر شخص کے ساتھ تپاک سے ملنا ان کی خاص عادت تھی۔ بعض کتب عقائد زبانی یاد تھیں تہجد کی نماز کبھی ناغہ نہیں ہوئی۔ احکام خدا و رسول سنتے ہی رقت طاری ہو جاتی خادموں کے ساتھ برادرانہ برتاؤ تھا۔ اور ایسا کہ بعض وقت خادم کسی فرمائش کو سنکر انجان ہو جاتے اور متعدد وقت مانگنے پر پانی پلاتے۔ دسترخوان پر امیر و غریب خادم و مخدوم سب یکساں تھے۔ جو شخص جہاں چاہتا بیٹھ جاتا۔ آپ نے شوق جہاد میں۔ اہل و عیال۔ وطن اور آباد و پر فضا شہروں کو چھوڑ کر جنگلوں کی سکونت اختیار کی تھی اور لوازم سلطنت سے کچھ بھی ساتھ نہ رکھتے تھے دشمنوں کی کثرت نے ان کے بہادر دل کو کبھی مرعوب نہیں کیا۔ جنگ کے زمانہ میں فوج کے افسر اعلیٰ خود رہتے بعض اوقات دشمن کی فوج کے اطراف چکر بھی لگاتے اور کبھی کبھی نہایت جوش سے لشکر اعدا میں یکہ و تنہا اس طرح حملے کرتے ہوئے نکل جاتے جس طرح پانی میں مست مچھلی دوڑتی ہے۔ رعب کا یہ عالم تھا کہ ایسے موقعوں پر دشمن صرف صورت ہی تکتے رہ جاتے یا اپنے بچاؤ کی فکر میں پڑ جاتے۔ دشمنوں پر قابو پا کر کبھی ان کی تذلیل نہیں کی اور جو وعدہ ان کے ساتھ کیا اس کو برابر پورا کیا ۳۴ سال فرمانروائی یعنے قوم کی خدمت کی اور بے ریا خدمت کی۔ ۵۷ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اس عالم فانی سے رخصت ہوتے وقت ان کی ذاتی جائداد کچھ نہ تھی صرف ایک دینار اور ۴۷ درہم پاس تھے ...

توجہ شرط ہے کیا آدمی سے ہو نہیں سکتا
گناہوں سے وہی ڈرتا ہے جس کو خوف خالق ہو

مگر ہمت ہی کرنا کاہلی سے ہو نہیں سکتا
فریب نفس سے بچنا سبھی سے ہو نہیں سکتا

لگا لینا کسی کا دل کو لگن کا چاہیے سیفی
کسی پہ جان دینا ہر کسی سے ہو نہیں سکتا

اب ہم رہیں جہاں میں یا آسماں رہے

کے تاب ضبط بس ہے آتش بجاں ہیں — اب ہم رہیں جہاں میں یا آسماں رہے
جس کا وجود ننگِ رہ میزباں ہے — ایسا کسی کے گھر نہ کوئی مہماں رہے
کیوں آفتابِ منزلِ مقصد نہاں رہے — جب اپنے ساتھ ہم سفر خوش بیاں رہے
اے قوم رو بہ عیش میں بھی ہو تو ہو محو خواب — اب تک ترے لئے کوئی وقفِ فغاں رہے
ہاں اتفاق وجہ ترقی تو ہے مگر — ہشیار ہم بھی ہوں تو یہ نکبت کہاں رہے
جو کچھ چمن میں تھا اُسے گلچیں لٹا چکا — اب کیا دھرا ہے جا کے اب تک کہاں رہے
اس بدنصیب کے غمِ غربت کا کیا کہیں — جو اپنے گھر میں ہم برنگ میہماں رہے
سب اُٹھتے بیٹھتے تھے ہماری ہی حکم سے — جب تک جہاں میں ہم جری کارداں رہے
مکر و فریبِ دشمنِ بد عہد کچھ نہیں — ہم صاف دل ہیں ہم پہ خدا مہرباں رہے

افرادِ عصر نے طبع کو بے حس بنا دیا
وہ جوش اور ولولے سلف کہاں رہے

یوں تو جنگِ یرموک میں کفارِ روم کی آٹھ لاکھ فوج برسرِ پیکار رہی ہے مگر اس قدر فوج وقتِ واحد میں مقابلہ کو نہیں نکلی بلکہ ہر ایک شکست کے بعد ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں جو فوج امداداً آتی رہی ہے اس کی مجموعی تعداد ہے۔ ادھر اسلامی فوج کی اسی ہی جملہ تعداد چالیس ہزار۔ ان کے مقابلوں کے واقعات قابلِ دید اور عجیب حیرتناک ہیں۔ ایک وقت حضرت خالد نے ساٹھ ہزار فوج جرار کا مقابلہ صرف ساٹھ مجاہدین سے کیا ہے جن میں سے فقط دس مجاہد شہید ہوئے ہیں باقی پچاس غازی پانچ ہزار کافروں کو قتل اور دوسروں کو شکست دے کر واپس ہوئے ہیں۔ شہدا کے صدہا زخم تھے مگر کوئی زخم اُن کی پشت پر نہیں تھا۔ رضی اللہ عنہم
سبحان اللہ۔ خدا کے اس حکم (فلا تولوھم الادبار) پر ان بہادرانِ اسلام کا کس قدر ایمان تھا۔

یہ وہ الم نہیں ہے جس کو بھلا سکینگے

یوں قیمتی دوائیں لیکر تو کھا سکیں گے
لیکن قضا سے خود کو کب تک بچا سکینگے

احلام وحشت افزا اتنا بتا سکیں گے
مر کر سزائیں مجرم کس طرح پا سکینگے

ڈاڑھی منڈا کے شاید بچ جائینگے جیں کچھ
یہ نکٹی ناک لیکن کیسے چھپا سکینگے

کچھ تو خیال رکھوائے بھائیو وہاں کا
جا کر جہاں سے ہرگز واپس نہ آ سکینگے

احباب کا ستانا جن کا ہو دین وایماں
ایسوں کو اُن کے دشمن کب تک بچا سکینگے

دو دن کی بہتری پر بھولے ہوئے ہیں خود کو
ایسی روش سے کیونکر حق کو منا سکینگے

معیارِ حق پرستی یہ دَور بن گیا ہے
ہر شخص کی وفا کو اب آزما سکینگے

نکٹائی جب گلے میں پھانسی بنی ہوئی ہے
دستِ عدو سے خود کو کب تک بچا سکینگے

کیوں واپسی نہ ہو گی قومی وقار کی پھر
یہ وہ الم نہیں ہے جس کو بھلا سکینگے

جب زرد پڑ گیا ہے بدرِ منیر **سیفیؔ**
تارے پھر اپنا جلوہ کب تک دکھا سکینگے

لہ اشیائے زیرِ استعمال سے ہر ایک چیز کچھ وقت کے لئے ہمارے کام میں رہتی ہے اور اُس پر غیروں کی نظریں بھی کم پڑتی ہیں لیکن لباس ہر وقت ہمارے ساتھ رہتا ہے اور نمایاں بھی رہتا ہے بلکہ دوسروں کو ہم سے پہلے ہی نظر آتا ہے۔ ہماری کسی چیز میں کسی اور کا حصہ نہیں مگر لباس میں دوسرے برابر کے حصہ دار ہیں یعنی ہم سے زیادہ دوسروں کو جو لباس اچھا معلوم ہو وہی لباس اچھا بھی ہے اور اسی کے پہننے سے ہم کو مسرت بھی ہوتی ہے اسی وجہ سے سبھوں نے فرمایا ہے کہ غذا اپنی خواہش کی اور لباس دنیا کی پسند کا ہونا چاہیئے واقعی الناس باللباس۔ ایرانی۔ نصرانی۔ عربی۔ ہندی۔ پادری پنڈت۔ ملا۔ قوال۔ بھانڈ اور فقیروں کا بہترین معرّف لباس ہی ہے۔ موقع ومحل سے

مخمس قومی

بند ۱

اس بحث کو نہ چھیڑینگے ہم اب نہیں تو کب
عز و وقار قوم کی ہستی ہے جاں بلب
بس اے لحاظ عہد صدائے ادب ادب
انجام پر نہ ہو کہیں اللہ کا غضب
افراد قوم کا نہ ہو قومی شعار جب

کیوں بدسگال دیں نہ ہیں بد روش لقب
کیوں مصلحان قوم نہ ہوں خستۂ تعب
کیوں بحر غم میں غرق نہ ہو خطۂ عرب
کیوں اپنا سر نہ پیٹ لے پابندی نسب
افراد قوم کا نہ ہو قومی شعار جب

تحقیر و تعظیم کا ذریعہ ظاہری لباس ہی ہے غرض یہ ایک اہم چیز ہے اور اس کو معمولی خیال کرنا حمق ہے لباس وہی اچھا ہے جو ملکی۔ قومی اور مذہبی ضرورتوں کے لحاظ سے مکمل ہو۔ سرد ملک والوں کا لباس گرم ملک والوں کے لئے اور گرم ملک والوں کا لباس سرد ملک والوں کے لئے موجب امراض و تکلیف ہے۔ سرد ممالک میں کوٹ پتلون مفلر۔ کرسی۔ میز یا ایسے ہی جسم کو سردی سے محفوظ رکھنے والے لباس اور فرنیچر کی ضرورت ہے۔ چنانچہ سرد ملک کے رہنے والے ترک بھی ان اشیا کا مناسب تغیر کے ساتھ استعمال کرتے ہیں افغان بھی انہی مصلحتوں سے صدری اور ڈھیلے ڈھیلے پاجامے پہنتے ہیں۔ انگریزی ٹوپی انگریزوں کی ایجاد نہیں ہے۔ بلکہ قدمائے عرب اس کے موجد ہیں یمن و حضر موت وغیرہ میں یہ ٹوپی اب بھی پہنی جاتی ہے مگر کھجور کے پتوں کی علی ہذا سرد ملکوں میں دستانے پہنے ہوئے رہنے کی وجہ چھری کانٹے سے کھانے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی ہندی کوٹ پتلون پہنے یا چھری کانٹے سے کھائے تو خارج از مذہب تو نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں کی آب و ہوا اور طرز معاشرت کے لحاظ سے غیر لازم اور موجب اختلاف ضرور ہے۔ کوٹ پتلون میں کئی خرابیاں ایسی ہیں جو دوسرے کسی قومی لباس میں نہیں مثلاً (۱) کھڑے کھڑے یا جھکے ہوئے بول و براز کرنا (۲) نماز نہ پڑھ سکنا اور وضو نہ کر سکنا (۳) مصارف کا نسبتاً زیادہ ہونا (۴) وضع جسمانی کی نمائش (۵) پتلون وغیرہ نہ ہو تو صرف کوٹ کا ستر پوشی کے قابل نہ ہونا (۶) اتارنے اور پہننے میں وقت کا ضائع ہونا (۷) ذرا سے داغ دھبہ اور سوراخ کی وجہ استعمال کے قابل نہ رہنا۔ اور سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ دوسری قوم کے لباس سے اغیار اور ہم قوموں سے منافرت و مغائرت پیدا ہو جاتی ہے

جو واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا پر ایمان رکھنے والوں کے لئے ایک آفت ہے

بی۔ اے ہیں اور ایم اے ہیں آنر ہوئے تو کیا — شہبازِ علم و فضل کے شہپر ہوئے تو کیا
برجِ کمال کے مہِ انور ہوئے تو کیا — حاکم ہوئے تو کیا۔ کوئی افسر ہوئے تو کیا

افرادِ قوم کا نہ ہو قومی شعار جب

ہر ایک قوم کے لئے ہے کچھ نہ کچھ نشاں — جس سے شناخت انکی ہو آسان مہرباں
اک کلمہ گو ہی ہیں کہ ہر اک کی جدا ہی شان — پہچاننے میں کیوں نہ ہو حیران اک جہاں

افرادِ قوم کا نہ ہو قومی شعار جب

واقعی افرادِ قوم میں جب قومی خصوصیات ہی نہ ہوں تو پھر قومیت ایک مہمل لفظ ہے ہندوستان میں انگریزی لباس کو سب سے پہلے غالباً سر سید احمد خاں مرحوم نے پسند کیا اس غرض سے کہ حاکم و محکوم میں اتحاد و یکجہتی پیدا ہو اور ان کا متبع انگریزی تعلیم یافتہ گروہ نے نہ صرف اسی خیال سے لیا۔ بلکہ عزت و حکومت کا ذریعہ سمجھکر بھی۔ مگر ان تمام مقاصد میں جس ذلت و رسوائی کے ساتھ ناکامیابی ہوئی ہے اس کو گذشتہ نصف صدی کے تجربہائے تلخ نے روز روشن کی طرح واضح کردیا ہے۔ اب عقلمندوں سے توقع ہے کہ وہ مزید ذلت و رسوائی کو برداشت نہ کرینگے ہندوستان کی صدہا قوموں سے کسی قوم کے انگریزی تعلیم یافتہ افراد نے اس کوٹ پتلون کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی مگر ایک مسلمان کہ اس کے والہ و شیدا ہیں

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مذہب اسلام ایک آزاد مذہب ہے اس میں تنگ خیالی نام کو نہیں اس مذہب منور کا اصلی لباس۔ لباس تقویٰ ہے اور بس۔ اور یہ وہ لباس ہے جو کسی اور قوم و مذہب کو نصیب نہیں ہوا۔ یٰبنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم وریشا ولباس التقوی ذالک خیر ذالک من ایت اللہ لعلھم یذکرون ؕ

اسی وجہ سے سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ

حاجت بہ کلاہِ برکی داشتنت نیست — درویش صفت باش و کلاہِ تتری دار

مگر جن کے دل میں خدا و رسول کی محبت ہے اور جن کا عذاب و ثواب پر ایمان ہے وہ بتوفیق آیہ :-

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ

و بمضمون حدیث (لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ والناس اجمعین) نبی کریم ؐ کے لباس کا حتی الامکان تتبع کرتے اور اپنے نفسِ امارہ کی خواہشوں کو روکتے ہیں اور اسی میں دارین کی فلاح و صلاح سمجھتے ہیں اور (انما المؤمنون اخوۃ) پر ایمان رکھنے کی وجہ بفرمان حدیث (لا یکون المؤمن مؤمنا حتی یرضی لاخیہ ما یرضاہ لنفسہ) اپنے دوسرے دینی بھائیوں کو بھی اس طریق پہ چلنے کے لئے

من تشبہ بقوم فھو منھم

اب بھی وہیں ہیں نکلے تھے پہلے جہاں سے ہم

کیوں کہتے ایک بھی نہیں اپنی زباں سے ہم
کھٹکے ہوئے ہیں دل سے کہ دورِ جہاں سے ہم

قلاش ہو چکے کرمِ میہماں سے ہم
بہتر یہی ہے جائیں کہیں اب یہاں سے ہم

آب و ہوائے دہر نہ بھائے تو کیا علاج
غافل بہت ہیں دشمنیٔ آسماں سے ہم

کیا خاک ہم کسی کو بتائینگے نفع کی
واقف نہیں ہیں اپنے ہی سود و زیاں سے ہم

اپنی ترقیوں کی یہ رفتار ہے کہ آہ
اب بھی وہیں ہیں نکلے تھے پہلے جہاں سے ہم

منزل تو سخت ایسی کہ ہر جا ہے خوفِ جاں
کیونکر بچینگے رہکے جدا کارواں سے ہم

ہمدرد چارہ گر سہی لیکن ولی نہیں
بے چین بھی تو ہوں کبھی دردِ نہاں سے ہم

سرسبز کیا ہو تفرقہ اندازیٔ فلک
ہندوستاں ہم سے ہے ہندوستاں سے ہم

تقریر کی مجال نہ تحریر کی مجال
اظہارِ درد و رنج کریں کس زباں سے ہم

شاید خوشامدی سے بنے کام کچھ مگر
ایسا دل و دماغ بھی لائیں کہاں سے ہم

کب تک سہینگے اُس کے وفا آزما ستم
اپنا بنائینگے جسے آہ و فغاں سے ہم

اپنا ہی سینہ آہ کا کب تک سپر رہے
جب تنگ آ گئے ہیں بہت آسماں سے ہم

سیفی جب اعتبار ہے اپنے سلوک پر
کیوں بدگمان ہو گئے ہیں رازداں سے ہم

چاہنے والے کہاں ہیں ترے ای حبِ وطن
ورنہ عزت سی مری تیری بھی عزت ہوتی
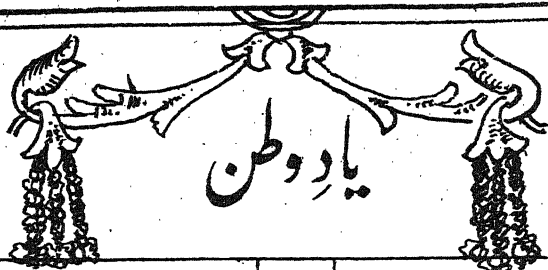
یادِ وطن

اِدھر گل اپنے ہوں بلبل اُدھر ہو مدح خواں اپنا
وہیں کچھ لطف ہے جس باغ کا ہو باغباں اپنا

طبیعت آگئی جس گل پہ اُسکو جھٹ سے جا توڑا
وہیں بیٹھے رہے دل آگیا سیفی جہاں اپنا

شریکِ محفلِ عیش و طرب ہوں ہم نوا اپنے
درِ گلزار پہ ہو پاسبانِ رازداں اپنا

کسی عہدِ مسرت میں دھنی ہم بھی تھے قسمت کے
گلوں کے واسطے عشرت کدہ تھا آشیاں اپنا

پھر آنسو آگئے آنکھوں میں دنیا ہو گئی تیرہ
مبدّل ہو گیا نالوں سے پھر حسنِ بیاں اپنا

محبانِ وطن کی شوخیاں ہیں پھر تصور میں
جگر میں چٹکیاں لیتا ہے پھر دردِ نہاں اپنا

بھیانک اور وحشت ناک صحرا پھر نظر آئے
شکایت کر رہا ہے پھر جرس کی کارواں اپنا

ہر اک تکلیف کا انجام جب ہوں راحت ہے
رہیگا اِس طرح بدخواہ کب تک آسماں اپنا

عدو کا میزباں بھی تو وہی چرخِ ستمگر ہے
جواب ہے کچھ زمانہ پیشتر تھا میزباں اپنا

پریشانی میں جب دردِ جگر سے سارے اعضا ہیں
مخالف جس کا منشا ہو وہ کیوں ہو رازداں اپنا

بچائیگا کسی کو کیا وہ خود ہی بچ نہیں سکتا
ہوا کے ساتھ جب تک رخ نہ بدلے بادباں اپنا

قفس گلزار میں رکھدیں بھی تو بلبل کو کیا حاصل
ہم اپنے آپ مالک ہوں تو ہے سب بوستاں اپنا

بنے ہیں خاکِ پاکِ خطہ جنت نشاں سے ہم
جلیں تو ابرِ رحمت بن کے اُٹھیگا دھواں اپنا

مرے تو جب ہیں اپنے میکدہ کے ساتھ ہی سیفی
قدح اپنا ہو مے اپنی ہو اور پیرِ مغاں اپنا

حصہ دوم

توحید ترقی

ان الشرک لظلم عظیم
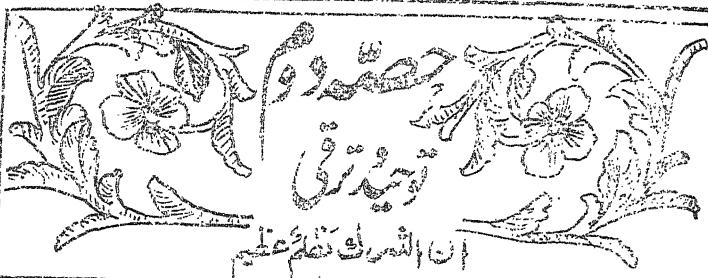
ہر ذرہ میں جب اُس کا جلوہ نظر آتا ہے
کیوں دیر و حرم میں پھر جھگڑا نظر آتا ہے

ست نے وحدت سے ہر ذرہ مگر شرک کیا
دریا میں بھی یہ اندھا پیاسا سا نظر آتا ہے

یکتائی کے دعوی کو مانا نہ کسی نے بھی
کہنے کو ہر اک اُس کا شیدا نظر آتا ہے

اک جائے مصفا ہو مسجد ہو عداوت کیوں
کیا اس میں تمھیں کوئی پتلا نظر آتا ہے

یہ حقیقت اِن دنوں ناقابل تردید ہو گئی ہے کہ اکابر مشرکین ہند کے ہر ایک مذہب والے کو اپنا سمجھتے ہیں اور بغض ہے تو صرف مسلموں سے۔ یہ کیوں؟

کیا مسلمان پاکی و صفائی میں کسی سے کم ہیں؟

شودروں کے بعض گروہ ایسے غلیظ و کثیف ہیں کہ اُس سے زیادہ ناپاک زندگی دنیا بھر میں کسی کی نہیں ہے واقعی مشرکین کی وہ جماعتیں جن کو اپنی طہارت کا دعوی ہے اور اُن کی وہ مذہبی کتابیں جن کو وہ آج کل تمام دنیا کیلئے واجب العمل بتلاتے ہیں جب اس سے محض ساکت ہیں کہ پاک و صاف پانی کونسا ہے اور اُس کے اچھے ہونے کا معیار کیا ہے اور باولی سے کہ وہ چیزیں نکال کر اسی وقت پانی پی جاتے ہیں تو غریب شودروں کو جن کے پاس کوئی دستور العمل نہیں ہے کیا معلوم کہ پانی کیا چیز ہے حالانکہ ایک گلی ہوئی چڑیا بھی باولی سے نکل آئے تو (۳۰۰) ڈول نکل جانے کے بعد پانی کے رنگ بو مزہ میں فرق ہو تو ایک بڑا مسلمان تک اس کا پانی استعمال نہیں کرتا۔ یہ صحیح ہے تو طہارت وجہ عداوت نہیں ہو سکتی؛

کیا گوشت خواری کے لحاظ سے متنفر ہوگا؟

تمہارے مشرکین سے دو چار کے سوا باقی سب گوشت خوار ہیں خصوصاً دھیڑ۔ چمار۔ مانگ۔ ونڈر۔ ڈھور۔ کولی۔ ڈیڈ وغیرہم مردار تو مردار گائے۔ سور۔ سانپ۔ کیکڑا۔ مینڈک۔ بلی۔ چوہا۔ گرگٹ۔ گھونس تک کھا لیتے ہیں۔ اور مسلمان چند پاک چرند و پرند کے سوا ایسے جانوروں کا گوشت جو موجب امراض و بے حیائی ہے قطعاً استعمال نہیں کرتے اس سے ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ بھی وجہ اختلاف نہیں ہے

تو کیا کسی کی ترقی و اصلاح میں مسلمان مخل ہیں

احکام شاستر کے لحاظ سے شودر حشرات الارض کا درجہ رکھتے تھے۔ انکی زندگی محض اونچی ذات والوں کی خدمت کے لئے تھی۔ شودروں کی مجال نہ تھی کہ وہ کچھ دولت جمع کریں۔ برہمن کی جگہ شودر بیٹھ جائے تو اُس کی چوتڑ تراش دی جاتی تھی اور دھرم کی بات بتلائے تو شودر کے منہ اور کانوں میں کھولتا ہوا تیل ڈال دیا جاتا تھا۔ ستی کی رسم بالعموم تھی۔

کیوں باعثِ راحت ہے تثلیث موحد کی
توحید کا دعویٰ ہی دعویٰ نظر آتا ہے

کیوں دیدہ مشرک کا کانٹا نہ موحد ہو
آج ہیں کو ہر اک سیدھا ٹیڑھا نظر آتا ہے

توحید نہ ہم چھوڑیں اور وہ نہ ذرا سے مانیں
جھگڑوں نے سمجھ یہ جھگڑا بیجا نظر آتا ہے

ویدوں کی تعلیموں نے توقیر نہ کی کچھ بھی
مذہب کا ہر اک جذبہ ٹھنڈا نظر آتا ہے

مذہب سے تراٹنا کشتی کو ڈبووے گا
سمجھو ستا طمع یہ دریا نظر آتا ہے

لیکن یہ اور ایسے تمام مظالم چھوت کے لئے شودر وقت اور تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔
مسلمانوں نے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانے ہی میں حکماً مسدود کر دیا تھا۔ اگر مسلمان شودروں کے حال پر رحم نہ کرتے تو معلوم نہیں آج یہ کس حال میں رہتے شودروں میں آج جو کچھ تمول ہے وہ محض مسلمانوں کی حمایت و انصاف کی وجہ مگر خدا کی قدرت ہے کہ جو لوگ کل تک شودروں کی تباہی و بربادی کے باعث تھے باقتضائے وقت و مصالح سیاسی آج وہ خیرخواہ و مصلح بنے بیٹھے ہیں اور یہ ان کو مان بھی رہے ہیں خیر چشم ما روشن دل ماشاد یہ نکاح بیوگاں کو پسند کرتے ہیں؟ منظور! گوشت خواری کا شوق ہے؟ آفریں!! شودروں سے برادرانہ تعلقات چاہتے ہیں؟ مبارک!!! کیونکہ یہ ہمارے اصول کی تصدیق و تقلید ہے! بہتر!

مسلمانوں کے سوا سب کو اپنا سمجھنے کے لئے وجہ مشترک کیا ہوگی؟

یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے کہ سب کے پاس ایک ایک بت ہے گو مختلف اشکال میں ہی مگر ہے ضرور صرف ایک مسلمان ہیں کہ ان کے پاس ایسی کوئی شے نہیں جو مشعر بہ شرک ہو یہ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ محض شرک و توحید کا جھگڑا ہے کہ ناقوس وگا وکا لیکن یہ دیکھکر تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی کہ تمام احباب خدا کو ایک ماننے کی دعویٰ دار بھی ہیں مگر یہ غلط ہے عملاً اس کا ان کے پاس کوئی ثبوت ہے نہ خدا کا اسم ذات ہی نہ خدا کو روح اور مادہ کا خالق مانتے ہیں! بظاہر مسلمانوں کی ہزار سالہ صحبت کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ اگر فی نفسہ یہ خدا کو ایک مانتے تو سب سے زیادہ مسلمانوں کو دوست رکھتے کیونکہ دنیا بھر میں مسلمانوں سے بڑھکر کوئی اور جماعت انتہائے احتیاط کے ساتھ خدا کو ایک ماننے والی نہیں ہے برادرانِ وطن!! ایک خدا پیارا ہے تو آؤ ہم سے پہلے گلے ملو!! اور ایمانداری سے اس گذارش پر غور کرو!

ف۔ خیالات کی پراگندگی نماز کی عمدگی کو غارت کر دیتی ہے۔ دلجمعی نماز کی جان ہے اس لئے مسلمان عبادت کے وقت شور و شغب سے سخت احتراز کرتے ہیں۔ کسی بڑے شہر کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے وقت جاکر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ دس دس بیس بیس ہزار مسلمان جمع اور دوش بدوش رہتے ہیں مگر ایک سناٹا رہتا ہے۔ مجال بھی ہے کہ ذکر حق کے سوا کوئی اور آواز بلند ہو۔ نماز میں قصداً زور سے سانس تک نہیں لے سکتے مسجد میں ٹھٹھا مذاق تو درکنار دنیوی بات چیت سے بھی ستر سال کی عبادت ضائع ہو جاتی ہے انہی امور کے لحاظ سے دیگر مذاہب کے علماء نے از خود مسجدوں کا احترام کیا حالانکہ حکومت کی جانب سے کوئی ممانعتی احکام نہ تھے۔ اور نہ صرف باجا بجانے سے بلکہ ہر قسم کی چیخ پکار سے مسجد کے پاس بچتے رہے اور ایسے ہی احترام کو ایک ہزار سال سے مسلمان دیکھتے چلے آ رہے ہیں اندنوں اسلام کے خدائی اٹل احکام میں

گنگا کا وہی بہنا۔ اب بھی ہے مگر اُلٹا	شودر سے برہمن کا ناتا نظر آتا ہے
پابندِ روایاتِ اسلاف رہے جبتک	اچھے رہے یہ اب تو کھٹکا نظر آتا ہے
غارتگرِ ہندستاں ہو شرک وجفا لیکن	ہر پھیر کے ترقی کو چرخا نظر آتا ہے

سچائی کو بدباطن مانے بھی تو کیوں سیفی
کب آبِ مکدر میں سایا نظر آتا ہے

سمہ برابر تغیر ہوا ہے نہ ذرہ برابر عبادت میں تبدیلی واقع ہوئی ہے اور قانونِ قدرت میں کم و بیشی ہو بھی تو کس طرح لیکن احباب کو سببِ محرک کے بغیر باجا بجانے پر اصرار ہے اگر اس کا یہ منشا ہو کہ پہلے دب کر ایسی جرات نہ کر سکتے تھے اور اب ایسا نہیں ہے ضرور باجا بجائینگے تو یہ بہادری کی نشانی نہیں ہے قولِ مرداں جاں دارد۔ ایفائے عہدِ مروجہ شرفا کا جوہر ہے بہادر قوم وضع کی پابند ہوتی ہے اِس لیے اُمید ہے کہ برادرانِ وطن اپنے دیئے ہوئے حقوق کی خود ہی حفاظت فرمائینگے ورنہ مسلمانوں کو اغماض و صبر سے کام لینا چاہیئے۔ پہلے اتفاق تھا سب کچھ خوشی سے ہو جاتا تھا اب بھی معاملہ فہمی سے جھگڑوں کو ابتدا ہی میں روک دیکر دل جمعی کے ساتھ کوئی اچھا کام اور قیمتی جانوں کو قیمتی اُمور ہی میں صرف کرنیکا اہتمام کریں تو بہتر ہوگا۔

آہ۔ جب ایک اشرف المخلوق کو اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی چیز کے آگے منھ کے بل رینگتے ہوئے دیکھتا ہوں تو جگر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ لوگ حیوانوں کی نام نہاد تکلیف ہی کو رو رہے ہیں مگر ہمارے اس صدمہ جانکاہ کا ہمدرد کوئی نظر نہیں آتا۔

از دیوانِ رندانہ غیر مطبوعہ موسوم بہ عشقستان

پروانہ بنا ڈالا۔ دیوانہ بنا ڈالا	اِس ایک مرے دل کو کیا کیا نہ بنا ڈالا
ہر غیر کے منھ پر ہی۔ در دیدہ نظر میری	اِک بات ذرا سا تھی۔ افسانہ بنا ڈالا
اِک وہ ہی نہیں ہر شئے۔ قابل ہے پرستش کے	دنیا ہی کو سرتاسر۔ بتخانہ بنا ڈالا
کیا قیدِ تصور بھی۔ منظور نہیں اس کو	کیوں ایک جھلک ہی میں دیوانہ بنا ڈالا
پہلو میں مقید تھے۔ کیا خاک تسم رہتی	چلو ہی کو ظالم نے پیمانہ بنا ڈالا
کیا دل کو تسلی ہو۔ جب وعدہ کی ٹھہری	اندازِ عنایت کو۔ مستانہ بنا ڈالا

ہاں جان ہی اے سیفی۔ اب وصل کی قیمت ہے
دل کو تو ستمگر نے بیعانہ بنا ڈالا

یہ وہ اچھوتے مضامین ہیں

جو آج تک مخفی تھے
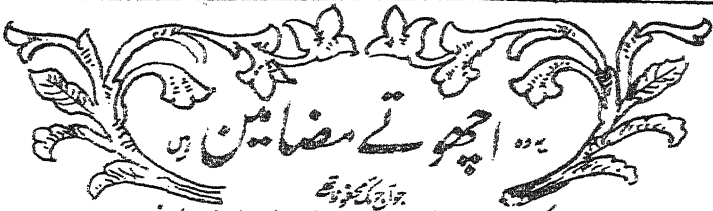
یہ سمجھنے ہی کی باتیں ہیں رفیقو سمجھو
غیر کیا سمجھے گا تم اس کو شفیقو سمجھو

پہلے گر خورشید تھے ذرّہ جہاں اب بھی ہیں ہم
خلق و ہمت کے زمین و آسماں اب بھی ہیں ہم

ہمتِ مردانہ ہم نے جب کبھی کی جس طرف
گُل کو گلشن کر دیا اور باغباں اب بھی ہیں ہم

جب غفلت کے وحشتناک انجام کی پوری طور پر سنگ باری ہونے لگی تو سبصر درد مند قوم پست ہمتی کو اولوالعزمی سے بدلنے کے لئے۔ اعاظم سلف کے درخشاں کارنامے اپنے غافل بھائیوں کو سنانے لگے یہ موثر علاج تھا۔ مگر ابھی اس سے کچھ بھی نفع نہیں ہوا تھا کہ بعض مصلحین کو ضرورۃً قوم کے افلاس کی گریہ و زاری کرنی پڑی اور اس رونے کو مخالف ہواؤں نے اس قدر بلند کیا کہ دنیا کا ہر ایک گوشہ گونج اٹھا اور مخالفین کا بچہ بچہ مسلمانوں کو اُن تمام بد اخلاقیوں سے متصف سمجھنے لگا جن کے خیال سے روح لرز جاتی ہے اور اس قدر مفلس خیال کرنے لگا کہ مسلمانوں کی عزت و جان کی قیمت صرف پیسہ سمجھی جانے لگی جس کے نتائج اس لئے محتاجِ بیاں نہیں کہ وہ روز آنہ اخباروں میں حیرت و افسوس کے ساتھ دیکھے جا رہے ہیں لا اعلم۔

بہ من چنداں گنہ از بدگمانی می کنند نسبت
کہ من ہم در گماں افتادہ پندارم گنہگارم

اس لئے انہی خرابیوں کی اصلاح کے لئے یہ نظم لکھی گئی ہے کہ آئندہ مسلمانوں کو زیادہ ذلیل و خوار سمجھنے اور سمجھانے کی فکر نہ کی جائے۔ مریض کو تسلی دیکر دوا اور پرہیز بتلانے کے عوض زندگی ہی سے مایوس کر دینا مناسب نہیں ہے۔ جو نسخہ تجربتہً مضر ثابت ہو چکا ہے۔ اُس کو فوراً بدل دینا چاہیئے۔

ف غیری حکمرانی ہو تو رعایا کا سیاست سے واقف ہونا حکومت کے لئے مہلک ہے۔ جہاں اپنی حکومت اور سوراج ہو وہاں مثلاً حیدرآباد میں رعایائے خیر خواہ کا سیاست سے واقف ہونا بہت مفید ہے اس وقت عہدہ داروں کے سیاست سے بیخبر ہونے کی وجہ ملک کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ خصوصاً با شعور طلبا کو سیاست سے ضرور واقف ہونا چاہیئے کہ وہ خود کو حکومت کی ضرورتوں کے موافق بنانے کی سعی کریں! اور احکام حکومت کے رموز کو سمجھیں

یوں تو ہر ایک مصیبت ہے مصیبت لیکن
عیش کے بعد کی تکلیف بلا ہوتی ہے

انتم الاعلون کے فرمان سے ہیں مطمئن	خرمنِ غم کے لئے برقِ تپاں اب بھی ہیں ہم
کیوں الم انگیز ہے اپنا فروعی اختلاف	جب اُصولِ دینِ حق میں یک زباں اب بھی ہیں ہم
ایک اللہ ایک قرآن ایک ہی اپنا نبی	اور اک قبلہ ہے جس کے دیدباں اب بھی ہیں ہم
مشعلِ راہِ خدا تُرسی ہے قرآنِ کریم	اور اس خوانِ کرم کے میزباں اب بھی ہیں ہم

لے بفضلہ تعالےٰ اس وقت دنیا میں (۰ ۴۰) کروڑ مسلمان ہیں۔ دو تین صدی پہلے تو کم و بیش تمام دنیا پر انہی کی حکومت تھی اب بھی بہترین ممالک پر ان کی خود مختار حکومتیں ہیں۔ آغاز اسلام کو زیادتی کے ساتھ چودہ سو سال سمجھیں اور مسلمانوں کی تعداد کو کمی کے ساتھ (۴۲) کروڑ بھی تو فی صدی تین کروڑ کا اضافہ مسلم ہے!! ان تمام مسلموں کا خدا ایک نبی ایک کتاب ایک طریق عبادت ایک کعبہ ایک شادی بیاہ کا طریقہ ایک زبانِ مذہبی ایک باہم رشتہ داری بھی ہو سکتی ہے اور ہم طعامی بھی الحمد للہ ثم الحمد للہ! کیا اتنی خوبیوں کے ساتھ کوئی ایک مذہبی جماعت اس وقت ہندوستان تو کیا دنیا کے کسی خطہ میں بھی مسلمانوں سے بڑھ کر موجود ہے؟ نہیں ہے! نہیں ہے!! نہیں ہے!!! جس قدر اہل اسلام ہیں اسی قدر مبلغ اسلام بھی ہیں یعنے اسلامی تعلیم کے اثر سے دنیا کا اکثر حصہ موحد ہو گیا ہے۔ سالانہ تین لاکھ ماہانہ پچیس ہزار اور روزانہ آٹھ سو نفوس کا اضافہ ہے اور آئے دن صد ہا ور غلا شنے کے بغیر بطور خود مسلمان ہو کر اسلام کی صداقت کی گواہی دے رہے ہیں اور بقولِ ہرقل اعظم سچے اور اچھے مذہب کی یہی شان ہے کہ وہ ہمیشہ پھیلتا پھولتا رہتا ہے

سے حضرت عالمگیرؒ کی بارہ وصیتوں سے دو یہ ہیں کہ

(۱) ٹوپیوں کے سینے کی اجرت سے خورد و نوش کے اخراجات کے بعد جو چودہ روپیہ بچ گئے ہیں انہی سے میری تجہیز و تکفین کی جائے کافی نہوں تو فرزند عالیجاہ سے کچھ لے لینا جس کے جائز و ناجائز ہونے کی پرسش بحیثیت وارث اُن سے ہوگی کیونکہ مُردہ بدست زندہ

(۲) کلام مجید کی کتابت سے جو تین سو روپیہ جمع ہیں وہ محتاجوں میں تقسیم کر دیئے جائیں کفن وغیرہ میں صرف نہ کرنا کہ اس میں حرمت کا احتمال ہے! سبحان اللہ کیا خدا ترسی ہے کیا پاکبازی ہے!!

کیا کسی اور مذہب میں بھی ایسے پادشاہ ہوئے ہیں؟

ہیں ہمارے پاس ہی زہد و طہارت کے[1] رموز	مالک و مختارِ گنجِ شائیگاں اب بھی ہیں ہم
چین وابستہ ہے دنیا کا ہمیں سے بالیقیں	عرصۂ توحیدِ خالص میں رواں اب بھی ہیں ہم

لہ جس طرح دنیوی قانون کے مصالح دریافت نہیں کئے جاتے اسی طرح احکام خدا کی مصلحتوں کو بھی دریافت کرتے رہنا درست نہیں ہے ورنہ اذا فات شرط فات المشروط پر عمل ہو کر مذہب کے تار و پود بکھر جائیں گے پشتینی مسلمانوں کو عمل کی طرف زیادہ متوجہ رہنا چاہیئے مگر اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اسلئے نومسلموں اور معتقدین اسلام کے مقابلہ میں احکام خدا اور رسول کے فوائد و مصالح اپنے معلومات کی حد تک ظاہر کر دینا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر حکم میں صدہا اسرار و منافع ہیں اور جس قدر غور کرتے جائے اُسی قدر روشن ہوتے جاتے ہیں۔ علمائے اسلام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے نہایت کد و کاوش و عرق ریزی سے خاص خاص احکام کے متعلق ضخیم کتابیں لکھدی ہیں اور ضمناً عام مسائل پر بھی تشفی بخش بحث کی ہے۔ اور ابھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

زہد و طہارت کے موشگافیوں نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ یوں تو ہر ایک مذہب نے طہارت کی اہمیت ظاہر کی ہے اور ہر ایک انسان خواہ وہ دہریہ ہی کیوں نہو بہ تقاضائے عقل طہارت کے ضروری سمجھنے پر مجبور رہے گا مگر مذہب اسلام کے سوا کسی اور مذہب نے طہارت و غسل کے اصول وحدود قائم کئے نہ اُس کو ایسا آسان بنا دیا کہ مرد۔ عورت۔ تندرست۔ بیمار۔ بوڑھے اور بچہ کے لئے سردی اور گرمی میں برابر برابر مفید و اطمینان بخش ہو کیا کوئی غیر مسلم بزرگ یہ بیان کر سکتے ہیں کہ اسلام نے غسل میں غرغرہ کو اور وضو میں مسح کو کیوں فرض کیا ہے؟ روزہ دار کو غرغرہ کیوں نہ کرنا چاہیئے؟ جب روزہ کی حالت میں کلی کر سکتے ہیں تو کسی دوسری کھانے پینے کی چیز کو کیوں چاب نہیں سکتے؟ ان رموز کو معلوم کر لینے کے بعد یہ واضح ہو جائے گا کہ جس مذہب کی جسمانی طہارت اس احتیاط کی ہو اُس مذہب کی روحانی طہارت کس درجہ کی ہوگی۔ غرغرہ اور مسح ہی کیا ہے۔ غسل اور پاک و ناپاک پانی کے مفصل و مطول احکام دیکھو تو سچے مذہب کی شان معلوم ہو اور یہ بھی کہ روزانہ کیوں

صدہا حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں!

ایک غیر مسلم دوست کو اپنے روزانہ غسل پر ناز اور ہم پر اعتراض تھا میں نے کہا۔ جناب! ناپاک چیزوں کو پاک کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پاک چیزوں کو خواہ مخواہ دھویا نہیں جاتا آپ روزانہ ایک ہی مرتبہ وہ بھی بے اصول غسل کے پابند ہیں۔ میری رائے میں تو آپ کو دن بھر میں کئی مرتبہ نہانا چاہیئے کیونکہ غسل کے بعد جو پاکی حاصل ہوتی ہے اُس کو آپ کچھ دیر بھی قائم نہیں رکھتے۔ کھانے کے پہلے نہایا اور کھانے کے بعد ضرورتوں سے فارغ ہو کر یوں ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور ایک گھنٹہ کے اندر اندر پھر ناپاک ہو گئے

تیرے واحد رہبر ہے ہند و حساب بھی ہیں ہم	مذہبوں سے ایک ہی مذہب کا حق ہونا ہے سچ

(بقیہ صفحہ ۹۶) ہم غسل کے فرض ہو جانے تک پاکی کو قائم رکھتے ہیں اور بول و براز کے ایک چھینٹے سے بھی بچتے ہیں اور
اس احتیاط کی وجہ رضو۔ غسل کا قائم مقام ہے بریں ہمہ صحت و تفریح کے لئے غسل کی ممانعت نہیں ہے فرصت و صحت
کے لحاظ سے روزانہ کئی مرتبہ نہا سکتے ہیں اور ہم میں ایسے کروڑوں انسان ہیں پانی نہ ملنے تو تیمم سے پاک ہو جا سکتے
ہیں بہر حال ہر ایک ضرورت کے لحاظ سے اطمینان قلب کا کوئی پہلو متروک نہیں ہے! الحمد للہ علی دین الاسلام!!

۱؎ قوم کے لغوی معنی گروہ مرداں کے ہیں اصطلاح میں ملک کی تخصیص کے ساتھ مستعمل ہے۔ افغانستان عربستان
اور ترکستان کے رہنے والوں کو قوم افغان و قوم عرب و قوم ترک کہینگے مگر یہ انتہائی بدنصیبی ہے کہ ہندوستان میں
تمام ہندوستان کے بسنے والے ایک قوم سے نامزد نہیں ہو سکتے حالانکہ ہندوستان کے باہر یہ جہاں کہیں بھی جائیں
ان کا نام ہی ہندی ہے۔ یہاں مذہب کے لحاظ سے قوم کی تفریق کی جاتی ہے اگر کوئی ہندو قوم کا لفظ کہیگا تو
اُس سے ہندو مراد ہونگے اور مسلمان کہیگا تو اُس سے مسلمان حالانکہ مذہبوں اور زبانوں کی کثرت کے
لحاظ سے ہندوستان کی نجات وطن پرستی میں مضمر ہے اور حقیقی امن و امان اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا
جب تک کہ حب وطن کو محور یکجہتی نہ قرار دیا جائے لیکن یاران وطن انتہائے غلط فہمی کے ساتھ خود ہی کو ہندوستان
کا واحد مالک و مختار سمجھکر ایسے سنگدل ہو گئے ہیں کہ اس پر راضی نہیں ہیں اگرچہ کہ وہ آٹھ نو کروڑ مسلمانوں
سے ایک کروڑ کو بھی غیر ہندی ثابت نہیں کر سکتے! بزعم خود قوم کے عوض بغیر دلیل اکثریت کا لفظ وضع کیا ہے
اور لطف یہ کہ اس کے لئے بھی کوئی معیار نہیں!

ہر گاہ اکثریت بت پرستی سمجھی جائے تو مسلمانوں کے سوا کوئی اور جماعت اس سے خارج نہیں۔ عیسائی۔ یہودی
پارسی جین۔ سکھ وغیرہم سے ہر ایک کسی نہ کسی شئے کی پرستش کرتا ہے اور یہ تمام اکثریت کے مفہوم میں داخل
نہیں ہیں اسلئے اکثریت کے دعویٰ کے لئے وجہ مشترک صرف بت پرستی نہیں ہو سکتی۔ اگر اکثریت مذہب یعنی
دستور و آئین سے متعلق ہو تو ہم مذہبی کی شناخت یہ ہے کہ عقائد میں اختلاف نہ ہو۔ طریق عبادت۔ طرز
تمدن و معاشرت ایک ہو باہم رشتہ داری ہو سکتی ہو اور ہم طعامی بھی! یہ صحیح ہے تو کوئی ایک بت پرست
مذہب والے بھی اس معیار پر اکثریت کے واجبی مدعی نہیں ہو سکتے راجپوت۔ مرہٹے۔ سکھ۔ مارواڑی
لنگ بند۔ بنئے۔ شودر۔ اور برہمن وغیرہم سے ہر ایک کے عقائد جدا دیول جدا۔ بت جدا۔ طرز تمدن و معاشرت
جدا۔ باہم رشتہ داری ناممکن ہم طعامی محال حتیٰ کہ ہر ایک کی زبان بھی الگ الگ کون ثابت کر سکتا ہے
کہ یہ سب ہم مذہب ہیں! ایسی حالت میں ان کے مجموعہ پر اکثریت کا اطلاق قطعاً درست نہیں ہو سکتا۔
یہ اعتراض کہ یہ مذہباً تو ایک ہی ہیں مگر بانی مذہب نے ان کو پیشہ کے لحاظ سے چار جماعتوں میں تقسیم کرکے
برہمن۔ چھتری۔ کھتری۔ اور شودر کے لقب دے دیئے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ شودر ہندوستان کے وہ
قدیم ترین باشندے ہیں جن کو آرین قوم نے مغلوب کرکے پہاڑیوں میں ڈھکیل دیا ہے جو اس وقت
گونڈ۔ بھیل۔ دھیڑ۔ ناگ۔ ریڈی کے نام سے موسوم ہیں باوجود اس کے جب وہ چوتھی جماعت میں شامل

گلشنِ عالم میں باغِ بے خزاں اب بھی ہیں ہم	پھول کھلتے ہیں ہمیشہ آبیاری کے بغیر

(باقی صفحہ گزشتہ) ہیں تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ بلالحاظ مذہب و قومیت ہندوستان کے کل باشندوں کو چار جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برہمنوں کے سوا کسی اور کے پاس وید ہے نہ دوسروں کو وید پڑھنے کی اجازت ہے۔ ہاں دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اِس معیار پر ہندوستان بھر میں مذہب کے لحاظ سے کثیر ترین جماعت مسلمانوں ہی کی ہے کہ اُن کا خدا ایک ہے۔ رسول ایک ہے۔ کتاب ایک ہے۔ طریق عبادت ایک ہے۔ طرز تمدن و معاشرت ایک ہے باہمی رشتہ داری بھی ہے حتیٰ کے سب کی زبان بھی ایک ہی ہے باقی اور کوئی گروہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اِن تمام اُصول اتحاد کے ساتھ اکثریت کا دعویٰ نہیں کرسکتا مگر افسوس ہے کہ آج تک مسلمانوں نے اکثریت کے مفہوم کو سمجھنے کی فکر کی نہ اپنی اجتماعی اہمیت کو پہچانا

شودر ہندوؤں اور مسلمان میں مشترک ہیں۔ اگر یہ بت پرستی کو عبادت سمجھتے ہیں تو اولیائے کرام کی نذر و نیاز کو بھی فرض جانتے اور خدا کو ایک مانتے ہیں اسلئے ہندو ہی اِن کے تنہا مختار نہیں ہو سکتے عیسائی۔ پارسی جین۔ سکھ اور شودر وغیرہم الگ کر دیئے جائیں تو بقیہ دوسری جماعتوں کو ایک سمجھنے پر بھی ان کی قابلِ لحاظ تعداد آٹھ کروڑ سے زائد نہیں ہے۔ اسلئے اور مسلمانوں کے اُصولاً متحد ہونے کے لحاظ سے اگر قومی حکومت قائم ہو تو مسلمانوں کا سردست نصف حصہ ہونا چاہیئے ورنہ مسلمانوں کو موجودہ حکومت کا ساتھ دیکر خدا کے اُس فیصلہ کا انتظار کرنا چاہیئے جس سے اہل حق کی اکثریت ثابت ہو۔ ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین

دنیا میں مسلمانوں ہی کی ایک ایسی جماعت ہے جو اپنے عہد و پیمان کی پابند ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اہل اسلام نے متفقہ طور پر جو معاہدات کئے ہیں اُن کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ اسلئے اکثریت کے لفظ کو ترک کرکے قومیت کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنا چاہیئے۔ مذہبی جذبات قطعاً آزاد ہوں۔ مسلمانوں کو مطمئن کرکے حفاظت قومیت کی قسم لے لیں تو پھر ہند پر ہندیوں ہی کی حکومت ہوگی اور ان کے اِس فطرتی حق کو کوئی غصب نہ کرسکیگا ورنہ مذہبی جماعتوں اور زبانوں کی کثرت کے لحاظ سے حقیقی اتحاد فی الحال نصیب نہیں ہوسکتا ہو بھی تو سیاسی ہوگا۔ بڑی چیز باہمی اعتماد ہے اور اعتماد کے ثبوت میں پیش قدمی کی ذمہ داری اُن کی جانب ہے جنکو اب تک اپنی اکثریت کا دعویٰ ہے

سے فرانس و اٹلی کی حکومتوں سے بھی یہ التجا کی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ طریق حکمرانی مخلصانہ رکھیں منافقانہ اُصول طشت از بام ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اہل اسلام لقمہ تر نہیں ہیں عقلمند ایسی لاٹھی ساتھ رکھتے ہیں جس کے مار کو خود بھی سہ سکتے ہیں۔ مسلمانوں ہی کے ساتھ ہمیشہ سے حکومت کا لین دین رہا ہے دوسری قوم سے یہ بیوپار کبھی نہیں کیا گیا۔ اسلئے ممکن انجام پر نظر رکھنا عقلمندوں کا فرض ہے۔ عموماً جور و جفا بد ترین چیز ہے خصوصاً مسلمانوں سے متعلق ہو تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ صدائے گنبد ہے واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔ فانِ حزبَ اللہِ ہمُ الغلبون

عقل کی افراط سے یورپ ہوا عریاں تو کیا		پردۂ شرم و حیا کے راز داں اب بھی ہیں ہم

لے آدمی کو عقل نہ ہوتی تو وہ گرمی و سردی کی تکالیف سے بچتا نہ درندوں گزندوں سے محفوظ رہ سکتا بغیر استشمام مستی اوقات تناسل بچانتا نہ طبعی جذبات کو مناسب طور پر ظاہر کرتا۔ زراعت میں ترقی کر کے اچھے میوہ حاصل کر سکتا نہ صحت کے لحاظ سے کوئی چیز کھاتا۔ کتے کے بچے کو تالاب میں ڈال دو تو فوراً پیر کر نکل آئے گا مگر ایک جوان طاقتور آدمی کو ڈھکیل دو تو وہ جبھی غوطے کھا کر مر جائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی عقل سے کام لیکر ہی تندرست اور زندہ رہ سکتا ہے جب ہر ایک بات میں عقل کو دخل ہے تو ستر پوشی ہی میں عقل کو بالائے طاق رکھ دے کر جذباتِ حیا کا لحاظ نہ کرنا کونسی عقلمندی ہے محض فطرت پرستی ہے تو گھروں میں رہیں نہ پکا کر کھائیں۔ آئینہ دیکھیں نہ بال اور ناخن نکلوائیں بیت الخلا بنائیں نہ آبدست لیں۔ شادی کریں نہ بچوں کی پرورش کا بار مردوں پر رکھیں۔ ستر پوشی کی ضرورت کو دنیا نے اپنے علم و عمل سے ابتدائے آفرینش سے اب تک تسلیم کیا ہے۔ ایسی مسلمہ ضرورت سے انحراف محض نادانی ہے۔ من جرب المجرب حلت به الندامة لباس صدہا عیبوں کا پردہ دار ہے عریانی سے جب یہ عیاں ہو جائینگے تو شادیاں بر وقت نہ ہو سکینگی جس کا لازمی نتیجہ فحش ہے اور فحش کا عموم تمام قوانین کو بدل دے گا نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یہده الله فلا مضل له و من یضلله فلا هادی له

لے اس زمانے میں کہ ہر ہنگی ہنر خیال کی جا رہی ہے انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے مروجہ پردہ کس قدر تکلیف کا باعث ہے اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن علم دین سے ناواقف اور مغربی علوم میں بھی کامل نہ ہونے کی وجہ ان کی رائے ہر بات میں جیسی سطحی ہے ویسے ہی اس پردہ کے تصفیہ میں بھی افراط و تفریط میں پڑے ہوئے ہیں۔ سلسلہ نسب کا تحفظ اور عصمت قابلِ قدر ہے تو پردہ اِن کی جان ہے۔ اسلامی ممالک میں پردہ قطعاً بے ضرر ہے کیونکہ وہاں ہر فرد حکم خدا کی تعمیل میں سر بسجم ہے۔ نہ بھی ہو تو بد روگی کے نتائج خطرناک اور دیرپا ہونے کی وجہ اپنی عزت و جان ہی کے خیال سے ترساں رہتا ہے مگر ہندوستان میں تمام معاملہ برعکس ہے اسلئے یہاں کا پردہ کچھ ترمیم کے ساتھ لازمی ہے۔ ہاں سیر و تفریح کے ایسے موقعوں سے جہاں بدعنوانیوں کا اندیشہ نہیں ہے مستورات کو محروم نہ رکھنا چاہیئے۔ عورتیں عقل و قویٰ کے لحاظ سے نسبتاً بہت کم زور ہیں اور نیک و بد کی تمیز سے پہلے بالغ ہو جاتی ہیں۔ حسین عورتوں کو دیکھکر مرد پگھل جاتے ہیں تو عورتوں کا دلکش اسباب سے متاثر نہ ہونا خلاف قیاس ہے اسلئے ان کا بازاروں میں کھلے بندوں پھرنا مفید نہیں ہے۔ مجبوریوں میں برقع کے ساتھ بازار میں بھی جا سکتی ہیں۔ تمام کاموں کی ذمہ داری مردوں نے لے لی ہے تو سیر و تفریح کے سوا اور کونسی ضرورت باہر نکلنے کی ہے معلوم نہیں ہوتا۔ یہ ایسی نعمت ہے جو اور کسی مذہب والی عورت کو میسر نہیں ہے۔ مسلمان عورتیں اپنی ایسی شاہانہ زندگی پر جس قدر بھی خدائے قدوس کا شکر کریں بالکل حق بجانب ہے۔ عصمت ایک امانت ہے مرد کے ہزارہا احسانوں کے مقابلہ میں۔ اگر عورت اسکی بھی حفاظت نہ کر سکے تو پھر اس میں اور بازاری عورت میں کیا فرق ہے۔ بال بچوں اور گھر دار کا انتظام بھی ضروری ہے تو عورت کو عورت ہی رکھنا چاہیئے ورنہ مردوں کو عورت بن جانا پڑیگا یا زنانہ دواخانوں کی میموں کی طرح عورتوں کو نا کتخدا رہنا ہوگا الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض و بما انفقوا من اموالهم

غیر کے نزدیک مکر و فن بھی نعمت ہو، تو ہو!	مخزنِ صدق و صفا کے پاسباں اب بھی ہیں ہم
اپنی ہر اک بات بھی اک عہدِ واثق ہے مگر	غیر کے قول و قسم سے بدگماں اب بھی ہیں ہم
زر نہیں ہے تو نہ ہو! دل تو ہیں اپنے مطمئن	دولتِ ایمان سے گنجِ رواں اب بھی ہیں ہم
مفلسِ گمراہ کو لے لیتے ہیں آغوش میں	اپنے اس ایثار سے جانِ جہاں اب بھی ہیں ہم

لہ دشمنوں کی کمزوریوں کے زمانہ میں بھی مسلمانوں نے معاہدات کی پابندی کی اور نقصان اٹھایا۔ لیکن اعدائے اسلام نے اپنی پستی کے زمانہ تک معاہدات کا لحاظ رکھا اور سکت پیدا ہوتے ہی فوراً اُن کو بالائے طاق رکھدیا سیاست صداقت کے ساتھ ہو تو سیاست ورنہ منافقت ہے مگر اندنوں وہ حکومتیں جو برسرعروج ہیں عہد شکنی کے دلدادہ ہیں جس کا یہ اثر ہے کہ بعض کندہائے ناتراشیدہ دروغ ہی کو ذریعۂ فروغ اور دغا و فریب سے نفع حاصل کرنے کو ہنر خیال کرتے ہیں۔ اور اسلام میں کذب و افترا کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ مذہب ہی کو مسلمانوں کی پستی کا باعث سمجھ رہے ہیں۔ اسلئے ہم نہایت دیانت سے جتاتے اور بتلاتے ہیں کہ جھوٹے اور منافق ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتے۔ عارضی و موقتی نفع کو مستقل نفع نہ سمجھنا چاہیئے۔ گو بعض بڑی حکومتوں نے بھی جھوٹ کو کلیدِ کامیابی سمجھ لیا ہے لیکن یہ نہ صرف حقیقی شجاعت اور اصلی قوت کے خلاف ہے بلکہ کٹھن وقتوں میں مصلحتہً ان کو بھی یہی کہنا پڑتا ہے کہ حق کو کامیابی ہوگی۔ اس لئے مکر و فریب پر ترقی کی بنیاد قائم کرنا اور کروڑوں بندگانِ خدا کو دھوکے میں رکھنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے رشوت کے ذریعہ جھوٹے اغراض کی تکمیل کو ہنر سمجھنا۔ سود لینے سے دوسروں کو روکنا اور خود بیدریغ مستفید ہونا جس کے ساتھ برادری قائم نہیں کرسکتے اُس کو منافقت سے اس کے خلاف یقین دلانا کسی شئے کی تعظیم کو بُرا سمجھتے ہوئے دوسروں کو اُس کی تعظیم پر آمادہ کرنا زبان سے ایک کہنا اور دل سے تین کا اعتقاد رکھنا اور اُس پر عمل کرنا۔ ظلم کا موقع مل جائے تو درندگی کا پورا پورا ثبوت دینا کیا یہ انسانیت ہے؟

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

جن کے یہ اوصاف ہوں کیا وہ حکمرانی کے قابل ہیں اور کیا وہ حکومت حاصل کرسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! واقعی

ایسوں کی حکومت کوئی پسند کرے بھی تو کس اُمید پر

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ الخ

امتِ مرحومہ مفلس ہے یہ سرتا سر غلط[۱] | مرجعِ ناداریِ نو مسلماں اب بھی ہیں ہم
بھائی کو بھائی نہ کہنا تو نہ ہوگا دوستو! | کہہ سکو گے تم مگر لبیک خواں اب بھی ہیں ہم

[۱] ہر ایک قوم میں مالداروں سے نادار ہی بہت زیادہ ہوتے ہیں افلاس کچھ مسلمانوں سے مختص نہیں ہے اگر مسلمان نسبتہً زیادہ مفلس نظر آتے ہیں تو اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ خدا پرست اور قانع ہیں۔ سود اور مکر و فریب سے اپنے بھائیوں ہی کا خون چوس کر موٹے تازے ہونا نہیں چاہتے دوسری وجہ یہ ہے کہ مفلس ہی تکلیفوں میں خدا یاد آنے کی وجہ زیادہ مسلمان ہوتے ہیں اور ناداروں کا فوراً سنبھل جانا اصولِ ترقی کے خلاف ہے بریں ہم اسلام ہی کا یہ شاندار معجزہ ہے کہ ایسے لوگ بھی اپنی آخری عمر میں اور ان کی اولاد اپنی جوانی میں حسب حیثیت ایک ممتاز جگہ حاصل کر لیتی ہے یہ اپنی ترقی میں کسی چیز کو مانع و حارج نہیں دیکھتے۔ دنیا کے جس خطہ میں جاتے ہیں وہاں بھی یہی روزہ یہی نماز پاتے ہیں اور ایک سلام مسنون سے لاکھوں کو اپنا بنا لیتے ہیں۔ رہنا ہو تو زندگی کی ہر ایک چیز وہیں مل جاتی ہے اور ہر ایک مسلمان تا بمقدور دامے درمے سخنے قدمے ہمدرد نظر آتا ہے۔ غرض، ہم کروڑ برادری کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں ہے۔ لاکھوں مسلمان ہوتے ہیں مگر یہ معلوم تک نہیں ہوتا کہ کون کس وقت مسلمان ہوا اور اس کی سابقہ خاندانی حالت کیا تھی تمدن و معاشرت میں اس قدر تغیر ہو جاتا ہے اور کلمہ کی حرارت ایسی ہمت پیدا کر دیتی ہے کہ ان کی نسبی برادری بھی نہ پہچان کر جنگجو اور بلادِ اسلام سے کسی ایک مقام کا رہنے والا سمجھ کر کہتی ہے کہ بس آپ یہاں سے تشریف لے جائیے۔ سبحان اللہ! کیا اسلامی رنگ ہے اور کیا سچے مذہب کی شان ہے اور کیا میل ملاپ ہے۔ بھائیو! مساواتِ اسلامی یہ ہے اور اسی وجہ سے اسلام ترقی کر رہا ہے۔ مسلمان نو مسلموں کو اپنے کلیجے سے لگا لیتے ہیں اور ان کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہاتے ہیں اور یہ (انما المومنون اخوۃ) پر ایمان کا نتیجہ ہے صرف تبدیلِ مذہب کی وجہ اگر کوئی اپنے حقیقی بھائی کو بھائی نہیں کہتا تو نہ کہے مگر ہم تو ایک ایسے غریب کی آواز پر جو اسلام کو ملجا و ماویٰ سمجھ کر آیا ہو بخدا برادرانہ لبیک کے سوا اور کچھ کہہ نہیں سکتے! گو مفلس مشہور ہو جائیں اور زندگی خطرہ میں پڑ جائے! آخر ہم آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کو ٹھنڈے دل سے کب تک گمراہ دیکھتے رہیں گے جبکہ ایک ایسے بھی ہیں کہ تبدیلِ مذہب کو پیڑیاں گذر گئیں مگر دنیا ان کو دیکھتے ہی کہہ دیتی ہے کہ یہ تو جناب عالی ہیں گویا ان غریبوں کی ایک ذات ہی الگ ہے نہ کوئی ان کے ساتھ شادی بیاہ کرتا نہ برادرانہ طریق سے ملتا نہ کھانے پینے اور حکومت کا شریک سمجھتا (برات عاشقاں بر شاخ آہو) بلکہ نگرانی میں ہیں کہ کہیں مذہب نہ بدل دیں۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم پر مسلمانوں کے سوا اور کون ایمان رکھتا ہے اگر یہ مسلمان ہوتے خدا جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتے زندگی میں حافظ ہوتے مولوی بنتے سالک و مجذوب

گمرہی اپنے ہی جیسوں کی پسند آتی نہیں	بندگانِ حق پہ دل سے مہرباں اب بھی ہیں ہم
لُٹ گئی دولت تو اسکی کچھ نہیں پروا نہیں	قافلہ کی خیر! میرِ کارواں اب بھی ہیں ہم
قافلہ کی روز افزوں قوتیں جاں بخش ہیں	رہزنوں کے واسطے سیلِ رواں اب بھی ہیں ہم

(باقی صفو گزشتہ) سمجھے جاتے دنیوی عہدہ ملتے اور مرنے کے بعد ہر زمانے کے کروڑوں مسلمان قیامت تک پنج وقت دعائے مغفرت کرتے! کیا یہ دولت کسی اور ملت میں ہے؟

ؔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ ہی کے ہم پورے پابند نہیں ہیں اس لئے اگر کچھ توجہ بھی کی تو انہی فرائض کی طرف۔ جن کو رسمی طور پر انجام دے کر سمجھتے ہیں کہ بس سب کچھ کر چکے حالانکہ اور کئی ایسے اہم فرائض ہیں کہ اُن کے ترک سے بے انتہا نقصان ہو رہا ہے از آنجملہ ایک فرضِ تبلیغ ہے کہ اس سے ہم سخت غافل ہیں۔ جو کام انبیاء علیہم السّلام سے خاص ہو اور جس کو ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی مقدس کے ہر لمحہ میں انجام دیا ہو وہ کام کس قدر اجر وثواب کا باعث ہو سکتا ہے محتاج بیان نہیں مگر ہم ہیں کہ اس کے نام سے بھی واقف نہیں۔ محض اس فرض کو نظر انداز کر دینے کی وجہ آج ہم خوفناک سیاسی مشکلوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بخدا ہماری نجات اِس فرض کی تکمیل میں ہے۔ جو لوگ باوجود اہلیت اِس طرف متوجہ نہیں ہیں وہ بدترین غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ علماء کا اولین فرض ہے کہ اس کے اصول سے قوم کو آگاہ کریں اور جو شخص جس حیثیت سے مدد دیسکتا ہے اُس کو اس سے مطلع کریں کہ جاہل و عالم کے کاموں کی آمیزش مُنجر بہ فساد نہ ہو۔ (ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن) (ومن احسن قولا ممن دعا الی الله وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین) خدا کرے کہ اکابر قوم اِس طرف جلد متوجہ ہوں

نکتہ اِسلام بہادروں کا مذہب ہے اور بہادر آدمی ہی جلد اسلام قبول کرتا ہے کیونکہ مذہب اِسلام میں خدا کے سوا کسی اور کی سربسجود تعظیم قطعاً درست نہیں یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام بہادر ترین قومیں مسلمان ہو گئی ہیں اور جو قوم جس قدر زیادہ بہادر تھی اُسی قدر جلد مسلمان ہوئی ہے گو بہادروں کو بجبر مسلمان بنانا ناممکن ہے مگر وہی احباب ابھی یہی کہے جا رہے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ اِس غلط فہمی کی وجہ یہی ہے کہ اسلام بہادروں کا سرپرست ہے

(اُصول) تمام دنیا خدا کو ایک ماننے پر متفق ہو چکی ہے اسلئے جو مذہب ہر قسم کے شرک و کفر سے بچکر خدا کو ایک کہتا اور اُس پر عمل کرتا ہے وہی مذہب سچا اور اچھا ہے

غیر جس کو مایۂ قوت سمجھکر شاد ہیں	اُس کو اک افلاس کہکر نیم جاں اب بھی ہیں ہم
مخلصانہ کوششوں کا وقت ہے سیفیؔ مگر	گر یہ نااتفاقی[لہ] ہی ہیں۔ ہاں۔ اب بھی ہیں ہم

[لہ] مسلمانوں کے افلاس و نااتفاقی اور غیروں کے اتفاق و تمول کے مضامین نظم و نثر جمع کئے جائیں تو غالباً ایک بہت بڑا کتب خانہ بن جائے گا حال آنکہ خدائے قدیر کا یہ ارشاد ہے (فاغرینا بینہم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیمۃ) (والقینا بینہم العداوۃ الخ المائدہ) (ہوالذی ایدک بنصرہ وبالمومنین والف بین قلوبہم) اور ہمارا اس حکم پر ایمان بھی ہے مگر افسوس ہے کہ باہمی نااتفاقی ہی کا رونا ہر وقت رویا جاتا ہے مگر اپنے متکبرانہ طرز عمل پر کسی کی نظر نہیں پڑتی ہے یہ کہ مسلمان مذہبی اثر سے خدا کے سوا کسی اور کی ضرورت سے زیادہ تعظیم نہیں کرتے۔ بہت خود دار ہوتے ہیں اس پر طرہ کلمہ کی عجیب و غریب غیر معمولی برقی حرارت جس کی قوت کو زہد و اتقا کے سوا کوئی اور چیز قابو میں نہیں لاسکتی مسلمان امیر ہوتے ہیں یا فقیر اور ان دونوں کے دماغ جیسے ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے دوسری بات یہ ہے کہ ان کے پاس ایک ایسا ناقابل تغیر دستورالعمل ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ پر لاکھوں علمار کے بے نظیر دماغ برسوں مغز پاشی کرتے رہے ہیں ایسی صورت میں بہتر فرقے نہ ہونگے تو کیا ہوگا اسلئے فروعی اختلاف کو فروعی نظر ہی سے دیکھکر نااتفاقی کا منحوس نام لینے کے عوض کچھ کام کرنا چاہیئے۔ جس قوم میں کوئی ایسا ضابطہ نہ ہو وہ لڑے گی کیا جھگڑے گی کیا۔ جس کا کہنا سمجھ میں آگیا بس اسی کی ہو رہی صحیح ہو یا غلط۔ تحقیق کا کوئی ذریعہ نہ کوئی سند مگر مسلمان ایسی کورانہ پیروی ہرگز نہیں کرسکتے اور اسی وجہ سے اعدائے دین اسلام ہی کو ادبار کا ذریعہ بتلاتے ہیں مگر خدائے عزوجل کے اس حکم کا مضمون ان کے ذہن میں اُس وقت آتا ہے جب اللہ اکبر اور چقاچق کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ جنگ کے موقع پر مسلمانوں کا ہزار جان و یک قالب ہو جانا اسلام کا زندہ معجزہ ہے اور یہی اتفاق در اصل اتفاق ہے۔ دوسری قومیں عین جنگ کے وقت ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں اور یہی نااتفاقی حقیقی نااتفاقی ہے۔ المنۃ للہ۔ انتباہ۔ قومی نااتفاقی و افلاس کی نظموں کو سینما اور تھیٹروں میں بداندیش قوم دُہرا دُہرا کر جاہلوں کے ذہن نشین کر رہے ہیں کہ تم دنیا میں ایک بہت بڑی درماندہ و ازکار رفتہ قوم کے افراد ہو اس لئے اب ایسی نظموں کے لکھنے کا زمانہ نہیں

قل اتحاجوننا فی اللہ وھو ربنا و ربکم ولنا اعمالنا ولکم اعمالکم ونحن لہ مخلصون ۵

غزل مدحیہ

یہ وہ اشعار ہیں جو عالیجناب مولوی فخر الدین احمد خاں صاحب سابق صدر محاسب سرکار عالی کے معتمد فینانس ہونے کی خوشخبری سُنکر جوشِ مسرت میں فی البدیہہ کہے گئے تھے

ہاں فخر کے قابل ہے ترقی کی خبر بھی
جب گُل نکل آئے ہیں تو نکلینگے ثمر بھی

چھا جائینگی خورشیدِ مقاصد کی شعاعیں
ہو جائے گی اِس شامِ تمنا کی سحر بھی

کیا فردۂ جاں بخشِ ترقی ہے کہ کل سے
مسرور اگر دل ہے تو شاداں ہے جگر بھی

اخلاق ہیں پابندیٔ وعدہ میں کرم ہیں
آتا ہے زمانہ میں نظر ان کا نظر بھی

کتنا ہی رہے کام مگر ختم کرینگے
مردوں کے لئے چاہیئے مردانہ جگر بھی

کیوں آپکا مداح نہ ہو سارا زمانہ
ہے عدل اثر آپ کی وز دیدہ نظر بھی

اس عہدۂ اعلیٰ کے لئے آپ سے بہتر
کیا پائینگے ڈھونڈینگے اگر شمس و قمر بھی

ممنونِ عنایت جو ادھر اہلِ غرض ہیں
انصاف کے قائل ہیں اُدھر اہلِ نظر بھی

مظلوم کو ہی نفع تو ظالم کو ہے نقصاں
اور چشمِ عنایت تو اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

انصاف معزز ہے اگر عہد میں انکے
روز افزوں ترقی پہ ہے توقیرِ ہنر بھی

اقبال بڑھے محسنِ **سیفی** کا الٰہی
دولت بھی زیادہ ہو ملے عمرِ خضر بھی

لہ آپ ممالک محروسہ سرکار آصفیہ کے اُن منتخب عمائدین اعلیٰ سے ہیں جنکی علمی قابلیت ملکی خیرخواہی مدبرانہ حکومت مسلمہ ہے آپ کا کوئی کام ایسا نہیں جو کسی اصول کے زیر اثر نہ ہو ہر چند ضابطہ کی پابندی سب کو خوش نہیں رکھ سکتی مگر کمال یہ ہے کہ آپ سے ایک زمانہ خوش ہے آپ ادنیٰ و اعلیٰ سے پابندی وقت تعظیم اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے ہیں علیحدہ علیحدہ ملتے ہیں اور جب تک ہر ایک بات کا اطمینان بخش تصفیہ نہ ہو جائے سلسلہ گفتگو منقطع نہیں فرماتے اسلئے محروم فیض بھی شکایت کے عوض صبر سے کام لیتا ہے آپ صوم و صلوٰۃ کے پابند منکسر المزاج اور علم کے قدرداں ہیں آپ کے ان مربیانہ احسانات کے شکریہ میں جو میری عین پریشانی سے زمانہ میں تبادلہ بلدہ کا باعث ہوئے ہیں یہ غزل اس کتاب میں شریک کی گئی ہے کیونکہ مجھ خادم علم کے لئے اظہار شکر گذاری کا اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا

فہرست نظم

فہرست

گزارش

اُردو ایک ایسی معجون مرکب زبان ہے جس میں دنیا بھر کی تمام زبانوں کے الفاظ بجنسہ یا بادنیٰ تغیر شامل ہیں اور
ان کے ملنسار واقع ہونے کی وجہ وہ کچھ ایسے گھل مل گئے ہیں کہ ان سے بعض کی اصلیت کا پتہ چلانا ناممکن نہیں تو دشوار
ضرور ہے تاہم اساتذہ فن نے اکثر الفاظ پر دلچسپ بحثیں کی ہیں جن کا ہمیں ممنون رہنا چاہیے۔ الفاظ زیر بحث
سے بعض کا تصفیہ ہو چکا ہے اور بعض کا نہیں مختلف فیہ الفاظ دونوں طرح استعمال کئے جاتے ہیں جن کی نظیر
اساتذہ کے کلام سے پیش کی جا سکتی ہے ہمیں اپنی تصانیف کے بعد تجربہ معلوم ہوا کہ ایسے الفاظ اور محاورے
بھی احباب کے لیے تفریح طبع کا باعث اور غلط فہمی پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے برسوں کی غور و فکر
و کد و کاوش سے جس نے اکثر مفید اور اچھوتے مباحث خامہ فرسائی کے لیے پیش کئے ہیں ہندستان کے لئے
ایک ضخیم دیباچہ مرتب کر دیا گیا ہے جس میں ان عنوانوں پر تفصیلی بحث کی گئی ہے کہ اردو زبان کہاں کی
اچھی ہے اور اس کے اچھے ہونے کا معیار کیا ہے کون کون سی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں اور کس زبان
کے الفاظ کی صحت کا کون ذمہ دار ہے قابلِ ترک کون سے الفاظ ہیں۔ اور کس حیثیت سے ہیں۔ کس مقام
کے کون سے الفاظ اپنے صحیح مفہوم کو اچھی طرح ادا کرتے ہیں۔ غرض یہ ایک نہایت کارآمد و مفید دیباچہ ہے
مگر افسوس کہ اس کی اشاعت کی نوبت ابھی نہیں آئی اس لئے اس اطلاع کی ضرورت پائی گئی کہ دہلی و لکھنؤ
میں آج سے پچاس برس پہلے جو اردو بولی جاتی تھی وہی اب چند آبادیوں کی زبان ہے یعنی ترقی و اصلاح
زبان میں یہ صرف اس قدر سمجھے ہیں کہ مشاہیر دہلی و لکھنؤ کا دامن درازان کے ہاتھ میں ہے جس کو وہ
کھینچ رہے ہیں اور اس زور سے کہ اسی دور عثمانی ادامت برکاتہ میں بخیر ہو جائیں خوش قسمتی سے
ان زبانی جھگڑوں نے انھیں حکم بھی بنا دیا ہے اور یہ حیاں کا جو لفظ و محاورہ اچھا معلوم ہوتا ہے یا
ضرورت شعری کی تکمیل جس جگہ کے لفظ سے ہو جاتی ہے اسی کو پسند اور استعمال کرتے ہیں اس لئے نظر
تعمق کو ان امور کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔

سیفی بیجانی

نشے سے جب بگانہ ہیں۔ کوئی ہمیں ستائے کیوں
اپنے ہی جب ہوں بدگماں۔ غیر برا کہے کیوں
جب غم دل ہے کارگر۔ شور و فغاں ہے بے اثر
عمر رواں کی ہر گھڑی۔ راز میں ہے چھپی ہوئی
دہر میں بے اثر ہیں ہم۔ بندۂ کم نظر ہیں ہم
دوزخ و خلد کی بہار۔ بیم و رجا کا یہ نکھار
لعل نہیں گہر نہیں۔ جلوۂ سیم و زر نہیں
حسن بنا ہے جانستاں۔ خنجر ناز خونچکاں

دل سے نکل کے رازِ دل۔ حسن کی بزم جائے کیوں
جن پہ نہ اعتماد ہو۔ لیجئے ان سے راستے کیوں
غیر ہمیں ستائے کیوں۔ ہم سے نہ آئے کیوں
ناز و نیاز زندگی۔ جان مری نہ کھائے کیوں
حشر سے بے خبر ہیں ہم۔ رکھتے ہیں اپنی رائے کیوں
راز سے جب ہے کام کار۔ کوئی کسی کو پائے کیوں
منتظر کرم ہیں ہم۔ کوئی ہمیں بلائے کیوں
دست سکوں سے ناگہاں۔ ضبط کی نبھائے کیوں

سیفی زار و زار کو۔ بستر ضعف سے کبھی
ہمدم درد کے سوا اور کوئی اٹھائے کیوں

نعتستاں

یا

دیوان نعتیہ سیفی

یہ دیوان نعت کیا ہے ایک گنجینہ مواعظ ہے کیونکہ سرور کائنات کے اخلاق۔ معجزات۔ احکام اور غزوات نہایت نصیحت انگیز و نتیجہ خیز پیرایے میں بیان کئے گئے ہیں اور اس بات کو ثابت کرنیکی سعی کی گئی ہے کہ آنحضرت ہمیں جان سے زیادہ عزیز ہیں تو کیوں عزیز ہیں جس کی وجہ اس دیوان کا مطالعہ نہ صرف تفریح طبع تک محدود رہتا ہے بلکہ مصلح اخلاق۔ ایمان کی تقویت کا باعث اور خیالات مذہبی کے استحکام کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے نیز اس کا دیباچہ نثر حسب ذیل مضامین پر شامل ہے

(۱) وجہ شرافت انسان (۲) تعریف توفیق نیک (۳) موزونیت طبع کے مقاصد و مصارف مع آیات و احادیث متعلقہ (۴) مبتذل و عاشقانہ شاعری کے نتائج اور اس کا قوم پر اثر۔ (۵) نعت گوئی کے شرائط و لوازم (۶) احترام قصائد اور اس کے متعلق ایک دلچسپ تاریخی حکایت (۷) طوائف کے متعلق ایک ضروری بحث اور تاریخی واقعات (۸) مجالس قومی و غیر قومی کا توازن (۹) قصائد خوانی کے آداب اور طریقے (۱۰) انگریزی تعلیم کا اثر (۱۱) قومی تنزل کے اسباب اور اس کے متعلق تاریخی حکایتیں۔

قیمت درجہ اول ۸؍ درجہ دوم ۶؍

یہ دیوان باضافہ مضامین و حل لغات مکرر شائع ہوچکا ہے حل لغات کی ضمن میں ایسے نکات بھی واضح کردیئے گئے ہیں جو اساتذہ کے سوا کسی اور کو معلوم نہ تھے

پندستاں

معروف بہ

دیوان نصائح سیفی

صائب و سعدی کے رنگ میں یہ ایک لاجواب اور ہندوستان بھر میں اپنی وضع کی پہلی کتاب ہے حکیمانہ خیال اور ناصحانہ اقوال اس قدر دلچسپ اور پر اثر پیرایے میں نظم کئے گئے ہیں کہ ہر ایک شعر ضرب المثل ہے۔ مشاہیر ہندو دکن اس کی عمدگیوں اور خوبیوں کے معترف ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ دیوان نصاب مدارس میں شریک ہونے کے لائق اور طلبہ کو انعام میں دینے کے قابل ہے مروجہ عاشقانہ و مبتذل شاعری کی وجہ نفس شاعری سے عام طور پر جو تنفر پیدا ہوگیا ہے وہ اس کے مطالعہ کے بعد دور ہوجاتا ہے امید ہے کہ علم دوست حضرات ضرور اس کے مطالعہ کا خیال فرمائیں گے

قیمت درجہ اول ۔ درجہ دوم

عـــہ ۱۲؍